مُحدِّث

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

مجلس التحقیق الإسلامی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدّث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ پر اشاعتِ خاص

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ **مُحدّث** لاہور

۳۱ عدد ۷
ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ
جولائی ۱۹۹۹ء

فہرست مضامین

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madani Printer: Zahid Bashir Printers, Lahore.

مدیر اعلیٰ
...عبدالرحمن مدنی

مدیر معاون
...فظ حسن مدنی

سالانہ 150 روپے
شمارہ 15 روپے

99 J, Model T...
Lahore - 54...

...کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Ph: 5866476, 5866396, ...
Email: lics99@hotma...

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

اسلام کے قانونِ وراثت میں "اجتہاد" کے نام سے ، ارتداد کی دعوت!

[سندھ کے ایک جج کے فیصلے پر چند ضروری گزارشات]

مسلمان ممالک میں جب تک اسلام کی علمبرداری قائم رہی، وہاں کبھی حقوقِ نسواں کا مسئلہ نہیں اُٹھا کیونکہ مسلمان اسلام کی اَبدی تعلیمات اور اُن کی حقانیت پر یقین کامل رکھتے تھے اور مملکت کا نظام اسلامی اصولوں پر استوار تھا، جس میں مرد و عورت کے الگ الگ دائرہ کار کا تعین تھا جیسا کہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ چنانچہ اسلامی مملکتوں میں عورتوں کا دائرہ عمل گھر کی چار دیواری تھا، وہ اس دائرے میں رہ کر اُمور خانہ داری سرانجام دیتیں، بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتیں اور خاوند کی خدمت و اطاعت بجالاتیں۔ مرد، گھر کی ان ذمے داریوں سے سبکدوش ہوتا اور پوری یکسوئی اور فراغِ خاطر کے ساتھ بیرونی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل رہتا۔ کسبِ معاش، اُمور جہانبانی، جہاد، سفارت کاری وغیرہ تمام معاملات مردوں کے سپرد تھے۔ یوں زندگی کی گاڑی ان دونوں پہیوں سے بحسن وخوبی چل رہی تھی، کیونکہ دونوں کا وجود، انسانی زندگی کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ دونوں کی مساعی اور تگ و تاز کا انسانیت کے ارتقاء میں برابر کا حصہ ہے۔ اس معاملہ میں کوئی بھی کسی سے کمتر نہیں ہے۔ نہ انسانی وشہری حقوق میں اور نہ مملکت کے ارتقاء وعروج میں۔ تاہم دونوں کے مابین فطری صلاحیتوں میں جو فرق وتفاوت ہے جو ایک مسلمہ امر ہے، اس کے پیش نظر تقسیم کار تھی، جس کو دونوں نے قبول کیا ہوا اور اپنایا ہوا تھا۔ یوں مرد و عورت ایک دوسرے کے حلیف تھے، حریف نہیں۔ ایک دوسرے کے معاون تھے، رقیب نہیں۔ ایک دوسرے کے ہمدرد و غم گسار تھے، باہم دشمن نہیں۔

یہ تقسیم کار چونکہ فطری اور امر الٰہی کے مطابق تھی، اس لیے اس کی وجہ سے اندرونی طور پر بھی امن واستحکام تھا اور معاشرہ معاشرتی بگاڑ سے بہت حد تک محفوظ تھا۔ علاوہ ازیں بیرونی طور پر بھی مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ قائم تھا، دشمن کو مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ اور یارا نہ تھا۔ گویا اس تقسیم کار یعنی عورت کا اپنے دائرہ کار (گھر) تک محدود رہنے سے ملک کی داخلی پالیسیوں میں کوئی خرابی پیدا ہوئی اور نہ بین الاقوامی سطح پر کسی کمزوری کا مظاہرہ ہوا جس سے عملی طور پر یہ واضح ہو گیا کہ انسانی معاشروں کے لیے یہی پالیسی مفید ہے جو خود خالق کائنات نے انسانوں کے لیے پسند فرمائی ہے،

اسی سے ہی امن واستحکام مل سکتا ہے اور قومیں عروج وترقی سے بھی اسی طرح ہم کنار ہو سکتی ہیں، نہ کہ اس سے انحراف کر کے اور اس کے برعکس پالیسی اختیار کر کے۔

چنانچہ دیکھ لیجیے، مغربی ملکوں نے اس فطری پالیسی سے انحراف کر کے عورت کو بھی گھر کی چار دیواری سے نکال کر دفتروں اور منڈیوں میں اور کارخانوں اور فیکٹریوں میں مردوں کے دوش بدوش لاکر کھڑا کر دیا، تو ان کی صنعتی ترقی میں تو یقیناً کچھ تیزی آگئی، لیکن دو بڑے نقصان سے انہیں دوچار ہونا پڑا: ایک تو معاشرہ قلب و نظر کی پاکیزگی سے محروم ہو گیا اور جنسی ہوس اور شہوت رانی عام ہو گئی۔ دوسرا ان کا خاندانی نظام تباہ ہو گیا، اور یوں ان کی ساری ترقی وخوش حالی بے معنی ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ انسان ساری محنت اور تگ ودو صرف اس لیے کرتا ہے کہ اسے راحت وتسکین حاصل ہو۔ اور یہ راحت اسے اس کی ماں کی آغوش فراہم کرتی ہے یا پھر جوان ہونے کے بعد وفا شعار اور اطاعت گزار بیوی کی محبت واُلفت۔ صنعتی ترقی نے مغربی ملکوں میں آسائش وراحت کے اسباب ووسائل کی تو فراوانی کر دی، لیکن گھروں سے تسکین وراحت کو ختم کر دیا، کیونکہ محض اسبابِ راحت سے تو راحت اور وسائل آسائش سے تو آسائش حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان مغربی ملکوں میں، جہاں وسائل آسائش کی فراوانی ہے، خودکشی کی وارداتیں بھی عام ہیں اور خواب آور گولیوں کا استعمال بھی روز افزوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محض دولت کی ریل پیل اور وسائل کی فراوانی ہی سب کچھ نہیں، نہ اس سے امن وراحت ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ امن وراحت اس خدائی نظام ہی میں ہے جو اللہ نے انسانوں کے لیے تجویز کیا ہے: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد:۲۸)

"دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر سے ہی ملتا ہے"

مغربی ملکوں نے چونکہ اپنے آپ کو اس خدائی نظام سے محروم کر لیا ہے، تو ہر طرح کی مادّی وسائنسی ترقی کے باوجود وہ گھریلو امن وسکون سے محروم ہیں، اس لیے کہ اس نے گھر کی ملکہ کو ہرایرے غیرے نتھو خیرے کی کنیز اور خادمہ بنا دیا ہے، شمع حرم کو شمع انجمن بنا دیا ہے اور تقدس وعظمت کی اس چادر کو تار تار کر دیا ہے جو اللہ نے اس کے قامتِ زیبا کے لیے تجویز کی تھی۔ اب وہ گھر میں صرف خاوند کی مہر ومحبت کا مرکز نہیں، بلکہ کلبوں میں، دفتروں میں اور بازاروں میں ہر بوالہوس کی ہوس ناک نگاہوں کا محور ہے۔ اب صرف گھر کی زینت نہیں ہے، بلکہ اس کے جلوۂ حسن آرا سے ملک کے تمام بام ودر روشن ہیں۔ یوں ایک نہایت بیش قیمت متاع کو، جسے پردے میں چھپا کر اور غیروں کی نظروں سے بچا کر رکھنے کی تاکید کی گئی تھی، ایک شو پیس اور جنسِ بازار بنا کر رکھ دیا، تقدس وعصمت کے پیکر کو بے حیائی کا چلتا پھرتا اشتہار اور وفا کی پتلی کو جفا کا خوگر اور ہرجائی صفت بنا دیا ہے...... اناللہ وانا الیہ راجعون!

بدقسمتی سے اسلامی ملکوں میں بھی، جب سے وہاں سے اسلام کی علمبرداری ختم ہوئی ہے، مغرب

کی نقالی میں عورت کو گھروں سے باہر نکالنے کی اور مردوں کے دوش بدوش کھڑا کرنے کی مذموم مساعی کی جارہی ہیں۔ ایک آدھ ملک کو چھوڑ کر تقریباً ہر اسلامی ملک میں مغرب زدگی کا یہ فتنہ عام ہے، کیونکہ ان پر مسلط حکمران طبقہ اوران کے اَعوان وانصار کے قلب و نظر کارگہِ مغرب ہی کے ڈھلے ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں اسلامی تہذیب وتمدن کے مقابلے میں مغرب کی حیاباختہ تہذیب زیادہ اچھی لگتی ہے اوراسلام کے عادلانہ نظام وقوانین کے مقابلے میں مغرب کے خودساختہ قوانین زیادہ بھلے لگتے ہیں۔ سب سے پہلے اس شوخ چشمانہ جسارت کا ارتکاب ترکی کے آمر مطلق مصطفی کمال پاشا نے کیا۔ اس شخص نے ۱۹۲۴ء میں نہ صرف اسلامی خلافت کا خاتمہ کیا، بلکہ اسلامی قوانین کی جگہ مغربی قوانین کو بہ زور نافذ کردیا، جب سے وہاں آج تک اسی کافرانہ نظام کا غلبہ ہے اوراسے اس طرح تحفظ حاصل ہے کہ کسی حکومت کو اس سے انحراف کرنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ کوئی بھی ذمے دار فرد کسی اسلامی شعار کو اختیار نہیں کرسکتا جیسا کہ اس کی ایک تازہ مثال مَروہ نامی عورت ہے۔ یہ خاتونِ محترم ترکی پارلیمنٹ کی ممبر بنی تو سر پر سکارف باندھ کے پارلیمنٹ میں گئی۔ وہاں اس کے خلاف ہنگامہ برپا ہوگیا اوراسے ترکی قانون سے غداری قرار دے کر اس خاتون کی نہ صرف رکنیت ختم کردی گئی، بلکہ سنا ہے کہ اس کو وہاں کے شہری حقوق سے بھی محروم کردیا گیا ہے۔ مغرب کی نقالی میں یہ اس ترکی کا حال ہے جو کبھی اسلامی خلافت کا امین اور عالم اسلام کا محافظ اور پشتیبان تھا۔ آج وہ اس اسلامی اعزاز اور عالمی کردار سے محروم ہو کر اپنے ہی مسائل میں اس طرح اُلجھا ہوا ہے کہ کسی لحاظ سے بھی اسے اطمینان بخش نہیں کہا جاسکتا۔

بلندی اور عروج کے مقابلے میں یہ پستی اور زبوں حالی اس کا مقدر کیوں بنی؟ اس کا جواب صرف ایک ہی ہے...... اسلام سے انحراف کے نتیجے میں!!۔ لیکن عام لوگوں کے فکرو نظر کی کجی کا یہ حال ہے کہ وہ ترکی کے اس انحراف کو قابل تقلید سمجھتے ہوئے دوسرے اسلامی ملکوں کو بھی اسلام کے معاملے میں وہی رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں جو ترکی نے اختیار کیا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر اقبالؒ جیسے شخص نے بھی اپنے خطبات ''تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' کے ایک خطبے ''الجہاد فی الاسلام'' میں ترکی کے بعض اقدامات کی تحسین کی ہے، جس سے مغرب زدہ افراد کو مزید حوصلہ ملتا ہے۔ ڈاکٹر مرحوم کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسلام سے انحراف کو 'اجتہاد' سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ اسلامی قوانین کی بجائے مغربی قوانین کا اختیار کرنا، یہ ترکی کا اجتہاد نہیں، بلکہ انحراف وارتداد ہے۔ اسی غلطی کا اعادہ سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج شائق عثمانی[1] نے اپنے ایک فیصلے میں کیا ہے اور عورت کے حصہ وراثت کو مرد کے برابر کرنے کے لیے 'اجتہاد' کی دعوت دی ہے۔ ان کا یہ فیصلہ انگریزی میں ہے۔ لیکن اس کے کچھ حصے کا اردو ترجمہ ایک ریٹائرڈ جج جناب جسٹس شفیع محمدی نے ہفت روزہ 'تکبیر' کراچی میں ۲۲/اپریل ۱۹۹۸ء

(۱) ایک اخباری اطلاع کے مطابق صدرِ مملکت نے ہائی کورٹ کے مذکورہ ایڈیشنل جج کو کنفرم نہیں کیا، لہٰذا یہ شخص اب سندھ ہائی کورٹ کا رکن نہیں رہا (ادارہ)

میں شائع کروایا ہے......اس میں جج صاحب فرماتے ہیں

"بلاشبہ بچی کے حصے کا بچے کے حصے کے مقابلے میں آدھا ہونے کے متعلق قوانین کا اطلاق اس دعوے کی غلط تشریح کا نتیجہ ہے کہ یہ (قانون) ناقابل تبدیل ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اصل میں یہ دعویٰ نتیجہ ہے مرد پرستی کے اس مزاج کا جو ہمارے سماج میں سرایت کر چکا ہے۔ ہمارے مذہب میں عورتوں کو آدھے حصے کی جوبات کی گئی ہے وہ اس کی کم سے کم حد قائم کرنے کے لیے ہے، زیادہ سے زیادہ کے لیے نہیں۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ کوئی اسلامی مملکت اجتہاد سے کام لے کر عورت کے حصے کو بڑھا دے۔ کم از کم ایک مسلم ملک یعنی ترکی تو ایسا ہے جہاں وراثت میں بچیوں اور بچوں کے حصے برابر ہیں......"

اس میں جج موصوف نے پہلے تو چند مفروضے قائم کیے ہیں:

(۱) اِسلام کے قانونِ وراثت کو اَبدی (ہمیشہ رہنے والا) اور ناقابل تبدیل سمجھنے کا دعویٰ غلط تشریح کا نتیجہ ہے۔

(۲) یہ دعویٰ مرد پرستی کا نتیجہ ہے۔

(۳) اسلام میں عورت کے آدھے حصے کی جو بات کی گئی ہے، وہ اس کی کم سے کم حد قائم کرنے کی ہے......زیادہ سے زیادہ کے لیے نہیں۔

یہ تین مفروضے قائم کر کے وہ اس شوخ چشمانہ جسارت کا ارتکاب کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ اجتہاد کے ذریعے سے اس قانون کو تبدیل کر دیا جائے۔ اور بطورِ مثال ترکی کا نام لیا ہے کہ اس نے یہ کام کر دکھایا ہے۔ گویا ترکی کی تحسین کر کے دوسرے اسلامی ملکوں کو بھی اس کافرانہ حرکت کا ارتکاب کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

ہمیں تعجب ہے کہ فاضل جج نے یہ مفروضے کس بنیاد پر قائم کیے ہیں؟ کیا ان مفروضوں کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل ہے؟......ان کا پہلا مفروضہ یا واہمہ یہ ہے کہ عورت کا نصف حصہ اس غلط تشریح کا نتیجہ ہے کہ یہ قانون ناقابل تبدیل اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام تبدیل ہو سکتا ہے، بلکہ ہونا چاہیے کیونکہ اسلام کی صحیح تشریح کا نتیجہ یہی ہے۔ موصوف نے اپنے اس دعوے کے مضمرات پر غور نہیں کیا، ورنہ وہ کبھی یہ کھوکھلا دعویٰ نہ کرتے۔ اس دعویٰ کا صاف مطلب یہ ہے کہ چودہ سو سال میں جو ہزاروں، بلکہ لاکھوں علماء، فقہاء گزرے ہیں، اور وہ اسلام کے قانونِ وراثت کو بالکل صحیح اور یکسر ناقابل تبدیل سمجھتے رہے ہیں، ان کا فہم اسلام ناقص اور ان کی تفسیر و تشریح قرآنی غلط ہے۔ اس کے برعکس آج کل کے مغرب زدہ مستغربین، جو قرآن کریم کو شاید دیکھ کر بھی صحیح

پڑھنے پر قادر نہیں، کجا کہ وہ اس کو سمجھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں، ان کا فہم قرآن صحیح اوران کی تفسیر وتشریح معتبر ہے۔ گویا ع مستند ہے اُن کا فرمایا ہوا !!

اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ چودہ سو سال کے مفسرین ومحققین اور علماء وفقہاء ہی کا فہم قرآن صحیح اور ان ہی کی توضیح وتشریح معتبر ہے اور ان کے مقابلے میں آج کے یہ متفکرین اسلام، جو عربی زبان اور قرآنی وحدیثی علوم سے یکسر نا آشنا ہیں، ان کا دعوائے فہم قرآن محض ایک اِدعاء ہے، یہ اسلام کی اَبجد سے بھی واقف نہیں۔ چودہ سو سال کے علماء وفقہاء کے مقابلے میں آج کل کے متجددین ومتفکرین کو جاہل اور اسلام سے نا آشنائے محض تسلیم کرلینا زیادہ آسان بھی ہے اور قرین صواب بھی۔

یہ امر بھی اسلام کے ہر طالب علم کو بخوبی یاد ہے کہ دین نبی اکرم کے دنیا سے چلے جانے پر انتہاء ہوگیا۔ اور آپ کے جانے کے بعد دین میں کوئی اضافہ یا تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

(۲) ان کا دوسرا مفروضہ بھی براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات پر حملہ ہے، عورت کا نصف حصہ وراثت اگر واقعی مرد پرستی کا نتیجہ ہے، تو اس قانون کے واضع علماء وفقہاء نہیں، خود اللہ تعالیٰ ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ حکم حکمت ومصلحت کی بجائے کسی ایک جنس یا صنف کی بے جا طرفداری پر مبنی ہے؟ جیسا کہ موصوف کے دعوائے مرد پرستی سے یہی لازم آتا ہے۔ تو اس کے بعد اللہ حکیم وعادل قرار پائے گا، یا ظالم وغیر حکیم؟ امت کے فقہاء وعلماء اور مفسرین اللہ تعالیٰ کو حکیم وعادل ہی مانتے آئے ہیں، اور اللہ پر ایمان رکھنے کا تقاضا اور مطلب بھی یہی ہے۔ اس لیے اس کے ہر حکم اور قانون کو وہ عدل وانصاف کا آئینہ دار بھی سمجھتے رہے ہیں اور حکمت ومصلحت سے پر بھی۔ چاہے وہ حکمت ومصلحت انسانوں کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کا زیر بحث قانونِ وراثت بھی حکمت ومصلحت سے پُر ہے۔ ذرا سوچئے! اسلام نے عورت کو کسبِ معاش کی ذمے داریوں سے فارغ رکھا ہے، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ عورت کو تجارت وکاروبار کرنے کی ضرورت ہے، نہ فیکٹریوں اور دفتروں میں مردوں کے دوش بدوش ملازمت کے دھکے کھانے کی۔ یہ اور اس قسم کے دیگر تمام بیرونی کاموں کے ذمے دار صرف اور صرف مرد ہیں۔

جب واقعہ یہ ہے تو سرمائے اور دولت کی زیادہ ضرورت مرد کو ہے یا عورت کو؟ جس کو زیادہ ضرورت ہے، تو اس کی ضروریات کے پیش نظر اس کا حصہ زیادہ مقرر کرنا عدل وانصاف اور حکمت کے مطابق ہے یا اس کے منافی؟...... مرد وعورت کے درمیان جب نکاح کا سلسلہ قائم ہوتا ہے، تو شادی کے اخراجات بھی اصل میں مرد ہی کی طرف سے ہوتے ہیں، ولیمہ کرنا بھی اس کی ذمے داری ہے، مہر کی ادائیگی بھی مرد ہی کا فریضہ ہے علاوہ ازیں اور بھی جتنے اخراجات ہیں، ان سب کا کفیل صرف مرد ہے، عورت نہیں۔ کسی بھی مرحلے میں عورت پر کوئی مالی ذمے داری نہیں۔ جب وہ بیٹی ہے تو والدین اس کے

کفیل ہیں، والدین کی عدم موجودگی میں وہ بھائیوں کی بہن ہے، وہ بھائی ہی اس کے کفیل ہیں۔ میکے سے سسرال منتقل ہونے کے بعد وہ بیوی ہے، اس کا کفیل اس کا خاوند ہے۔ صاحبِ اولاد ہونے کے بعد وہ ماں کے درجے پر فائز ہو جاتی ہے۔ اب خاوند کے ساتھ ساتھ جوان اولاد بھی اس کی کفیل ہے اور خاوند کی عدم موجودگی میں تو بالخصوص اولاد ہی ماں کے تمام اخراجات کی ذمے دار ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ اسلامی معاشرہ، جس کی بنیاد اسلامی تعلیمات ہیں۔ اس میں دیکھ لیجیے، مالی ذمے داریوں کا تمام بوجھ صرف مرد پر ہے، عورت کسی بھی موقع پر مال کمانے اور اسے خرچ کرنے کی مکلف نہیں ہے۔ جب ایسا ہے تو عورت کا نصف حصہ میراث بھی دراصل اس کے احترام و وقار کو بحال کرنا ہے۔ کیونکہ اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں عورت وراثت سے بالکل محروم تھی، اسلام نے ہی اسے وراثت میں حق دار قرار دے کر اس کی بے توقیری اور بے حیثیتی کو ختم کیا۔ اگر ذمے داریوں کے اعتبار سے وہ پوری وراثت کی حق دار ہوتی، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کا حصہ میراث بھی مرد کے برابر ہی رکھتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اسے تمام مالی ذمے داریوں سے اور بیرونی معاملات سے مستثنیٰ رکھا ہے، تو یہ بات کس طرح عدل وانصاف کے مطابق ہوتی ہے کہ اس کا حصہ میراث بھی اس مرد کے برابر ہوتا جس پر مالی ذمہ داریوں کا تمام بوجھ ڈال دیا گیا ہے؟

(۳) موصوف کا تیسرا دعویٰ بھی یکسر بے بنیاد ہے، آخر قرآن کے کس لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ عورت کا آدھا حصہ کم از کم حد ہے؟ اگر یہ بات بالفرض صحیح تسلیم کر لی جائے، تو دوسرا سوال یہ ہے کہ پھر زیادہ سے زیادہ حد کیا ہوگی یا کیا ہونی چاہیے؟ اگر مرد کے برابر یا اس سے زیادہ مقرر کی جائے گی تو مرد بجا طور پر معترض ہوں گے کہ مالی معاملات کے تمام تر ذمے دار تو ہم ہیں، پھر عورت کو جس پر سرے سے کوئی بوجھ ہی نہیں، ہمارے برابر یا ہم سے بھی زیادہ حصہ کیوں رکھا گیا ہے؟ اس کا کوئی معقول جواب ان متجددین و متفکرین اسلام کے پاس ہے؟ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ...... اور اگر عورت کا حصہ مرد کے برابر یا اس سے زیادہ تو مقرر نہیں کیا جاتا، نصف سے تھوڑا بڑھا دیا جائے، تو کیا عورت پرستی کے مریض مطمئن ہو جائیں گے؟ یقیناً نہیں ہوں گے، ان کا اعتراض اور مطالبہ هَلْ مِنْ مَّزِيْد برقرار ہی رہے گا۔ پھر اس کھکھیڑ سے جس کو یہ متجددین "اجتہاد" کا نام دے رہے ہیں، کیا حاصل ہوگا؟

(۴) رہی بات اجتہاد کی اور اس کی دعوت کی؟ تو دراصل یہ لوگ اجتہاد کی حقیقت سے ہی بے خبر ہیں، ورنہ اس دیدہ دلیری سے مسئلہ زیر بحث میں اجتہاد کی دعوت نہ دی جاتی۔ اجتہاد کا دروازہ یقیناً کھلا ہوا ہے۔ ہر دور میں اجتہاد ہوتا رہا ہے، آج بھی اجتہاد ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے۔ بہت سے مسائل آج بھی یقیناً دعوتِ اجتہاد دے رہے ہیں، اور ان میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ کون سے مسائل ہیں؟ وہ مسائل نہیں جن میں قرآن کریم کی صریح آیات اور نبی اکرم کے واضح فرامین موجود ہیں۔ ایسے مسائل

میں تو اجتہاد کی کوئی گنجائش ہی نہیں، کیونکہ مَنصُوص مسائل میں بغیر چوں وچرا کیے ایمان لانا اور ایمان رکھنا ضروری ہے، ان کی بابت اجتہاد کی دعوت دینا دراصل اسلام سے بغاوت اور کفر وارتداد ہے۔ جسٹس موصوف نے بھی ایک منصوص اور متفق علیہ مسئلے میں اجتہاد کی دعوت دے کر کفر وارتداد کا ہی ارتکاب کیا ہے، جس سے انہیں اگر وہ مسلمان رہنا اور اسلام پر ہی مرنا چاہتے ہیں، فوراً توبہ کرنی چاہیے۔

(۵) اسی طرح ترکی کے اقدام کو بطورِ مثال پیش کرنا بھی ذہنی ارتداد کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ترکی میں اگر عورت کا حصہ وراثت مرد کے برابر ہے تو انہوں نے یہ قانون اجتہاد کر کے نہیں بنایا ہے (کیونکہ ایسا اجتہاد ہو ہی نہیں سکتا) بلکہ اسلام سے انحراف وبغاوت کر کے یہ قانون جبراً نافذ کیا ہے۔ اب جس کو اسلام سے انحراف وبغاوت محبوب ہے، وہ بصد شوق اسے مستحسن سمجھے، لیکن جسے اسلام عزیز ہے اور وہ مسلمان رہنا چاہتا ہے، تو وہ کبھی بھی ترکی کے اس اقدامِ بغاوت کو نظرِ تحسین سے نہیں دیکھے گا، چہ جائیکہ وہ اس کی تقلید کی دعوتِ عام دینے کی جسارت کرے۔ (حافظ صلاح الدین یوسف)

[illegible]

معروف دینی رہنما اور نامور خطیب ومناظر مولانا عبد القادر روپڑی کافی عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔ بیماری کی شدت کی وجہ سے ان دنوں نقل وحرکت کے قابل بھی نہیں رہے۔ مسلسل تین ماہ اتفاق ہسپتال میں زیر علاج رہ کر گذشتہ چند دنوں سے گھر میں تشریف لا چکے ہیں۔ اگرچہ مرض میں کافی اِفاقہ اور صحت قدرے بہتر ہے تاہم ابھی مکمل صحت یاب نہیں ہوئے۔

اللہ کی شان کہ گھنٹوں قرآن وحدیث کی ایمان افروز برکھا سے خشک دلوں کو سرسبز وشاداب کرنے والے یہ سحر انگیز خطیب اور شرک وبدعت کی خزاں سے کملائے ہوئے ضعیف الاعتقاد قلوب میں توحید وسنت کی جوت لگا دینے والے یہ مقرر ایک عرصہ سے قوتِ گویائی سے بھی محروم ہیں۔

گذشتہ دنوں ادارۂ محدث کی دعوت پر تشریف لانے والے قطر کے چیف جسٹس عبد الرحمن المحمود اور محدث کے مدیر اعلیٰ اپنے احباب کی معیت میں آپ کی عیادت کے لئے گئے اور انہوں نے آپ کی صحت وعافیت کے لئے دعائے خیر کی۔

قارئین محدث اور دیگر تمام اہل اسلام سے ادارۂ محدث جناب مولانا عبد القادر روپڑی کی صحت وعافیت کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مرض کی آزمائش سے جلد عافیت نصیب فرمائے اور آپ کی بابرکت ذات کو ملک وقوم کی بھلائی کے لئے تادیر سلامت رکھے...... آمین!

اللهم اقض حاجاتنا واشفِ مرضانا ومرضَ المسلمين، أذهب البأس

ربَّ الناس واشف أنتَ الشافي لا شفاء إلا شفاؤك شفاءً لا يغادر سقماً

دار الافتاء

شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)

❑ والد کے تقاضے پر بیوی کو طلاق دینے کا مسئلہ

❑ والد کی وفات کے بعد دادا کی وراثت میں پوتے پوتیوں کا حصہ ؟

❑ آج کے عیسائی اور یہودی اِسلام پر ایمان لائے بغیر نجات پا سکتے ہیں؟

☆ سوال: میرے والد صاحب مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرتے ہیں اور جو وجہ بیان کرتے ہیں میں اس کے متعلق علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ وہ وجہ اس میں پائی نہیں جاتی تو اس صورت میں میں اگر اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیتا تو کیا یہ میری نافرمانی تو نہیں ہوگی؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ (عتیق الرحمٰن)

جواب: جس وجہ کے پیش نظر والد صاحب آپ کی بیوی کو طلاق کا مطالبہ کر رہے ہیں، اگر وہ نہیں پائی جاتی تو فی الحال طلاق نہ دیں۔ لیکن ہر ممکن طریق سے ان کو راضی کریں بصورتِ دیگر بیوی کو چھوڑ دیں۔

سنن ابی داود مع العون میں حدیث ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا: "میرے نکاح میں ایک عورت تھی، مجھے اس سے پیار تھا اور حضرت عمرؓ اسے ناپسند کرتے تھے۔ آپ نے مجھ سے اس کو طلاق دینے کا مطالبہ کیا تو میں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اس کو طلاق دیدو" (۴/۴۹۹)...... بشرطیکہ والد کے سامنے غیر شرعی مفاد نہ ہو کیونکہ اس صورت میں طلاق دینے کی ضرورت نہیں۔

☆ سوال: ہمارے والد شیخ محمد یونس (مرحوم) ہمارے دادا کی پہلی بیوی میں سے تھے جو کہ ہمارے والد کی پیدائش کے چند سال بعد وفات پا گئیں۔ اس واقعہ کے چند سال بعد دادا نے دوسری شادی کرلی۔ دادا کے اس بیوی سے سات بچے ہیں: دو بہنیں اور پانچ بھائی۔ اس کے علاوہ دوسری دادی کی پہلے شوہر سے ایک بیٹی بھی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مانگنے کے باوجود ہمارے دادا اپنی جائیداد میں سے حصہ دینے پر راضی نہیں جبکہ والد صاحب کی وفات سے چند روز پہلے جائیداد کی تقسیم کے لئے حد بندی ہو چکی تھی لیکن ہمارے والد صاحب کی اچانک موت کی وجہ سے یہ کام ملتوی ہو گیا۔ ہم چار بھائی ہیں، سب سے چھوٹے بھائی کی عمر ۱۹ سال ہے۔

۱۔ کیا ہمارے والد کی وفات کے بعد دادا کی جائیداد پر ہمارا حصہ بنتا ہے؟

۲۔ چونکہ ہمارے والد ہمارے دادا کی پہلی بیوی سے تھے تو ان کا اِس جائیداد میں کتنا حصہ بنتا ہے؟

۳۔ اگر دادا نے جائیداد پہلے سے ہی تقسیم کر دی ہو تو کیا ہم اپنے حصے کے لئے عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں؟ (شیخ محمد یوسف، شادباغ روڈ، لاہور)

جواب: صورتِ سوال سے ظاہر ہے کہ آپ کے والد دادا کی زندگی میں وفات پا چکے ہیں جبکہ کسی کا وارث بننے کے لئے ضروری ہے کہ مُوَرِّث کی وفات کے وقت زندہ ہو۔

واقعاتی طور پر جب آپ کے والد سبقتِ موت کی وجہ سے اپنے والد کے وارث نہیں بن سکے تو تو اس کی اولاد بھی دادا کی وارث نہیں ہوگی۔ دادا کی وفات کی صورت میں صرف اس کی قریب ترین اولاد وارث قرار پائے گی، حدیث میں ہے:

أَلْحِقُوْا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَىٰ رَجُلٍ ذَكَرٍ (متفق علیہ)

"جائیداد کے مقرر حصے اُن کے وارثوں کو دو اور جو بچ جائے تو وہ (مرنے والے کے) کے قریب ترین مرد کے لئے ہے"

۲۔ کسی کی متعدد بیویاں ہونے سے مسئلہ کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جائیداد کا اصلاً تعلق دادا سے ہے۔

۳۔ اگر یہ بات دلائل سے ثابت ہو جائے کہ دادا نے اپنی جائیداد اولاد میں ہبہ کر دی تھی اور اب وہ آپ کے والد مرحوم کا حصہ دینے کو تیار نہیں بایں صورت آپ عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں لیکن یہ بات یاد رہے کہ بطورِ میراث جائیداد زندگی میں تقسیم نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا تعلق موت کے بعد سے ہے۔

☆ سوال: قرآنِ حکیم عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث، عیسیٰ ابن اللہ کی وجہ سے ان کو کافر قرار دیتا ہے۔ اور ان سے دوستی سے منع کرتا ہے لیکن سورۃ المائدہ آیت:۶۹ (ترجمہ: یہودی، عیسائی جو بھی اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو وہ غمگین نہ ہوں گے) اسی طرح کی آیت البقرہ میں آخری حصہ میں بھی موجود ہے کہ "وہ اللہ کے ہاں اجر پائیں گے۔"

میں نے چند علماء سے پوچھا، انہوں نے بتایا کہ یہ اس دور کے یہودیوں کے بارے میں ہے، اب کے نہیں۔ بعض دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی کہ یہ حاضر کا قصہ ہے جس میں ایمان والوں کے ساتھ یہودیوں کو بھی خطاب کیا گیا۔ اس لئے یہ اس وقت کے عیسائی نہیں۔

اس حوالے سے میرے ذہن میں یہ سوال ہیں:

۱۔ کیا حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے بغیر ان کو اَجر ملے گا۔

۲۔ آج کل جو عیسائی نیک کام کرتے مثلاً رفاہِ عامہ کے یا دوسرے نیک کام تو کیا انہیں اس کا اَجر ملے گا یا نہیں؟ (عبدالباسط فاروقی، لیہ)

جواب: قرآنی آیت ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کی تشریح و تفسیر...... چند اشکالات کا اِزالہ

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی ہوئے، اور عیسائی اور بے دین لوگ جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو ان کے لئے ان کے رب کے ہاں اَجر ہے اور انہیں کوئی خوف نہ ہوگا، نہ ہی وہ غمگین ہوں گے'' (البقرۃ:۶۲)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے: پہلے وہ لوگ جو ایمان لائے، ان سے مراد شریعتِ محمدیہ کے ماننے والے ہیں، دوسری قسم کے لوگ یہودی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی اُمت ہیں، تیسری قسم عیسائی جو عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت ہیں اور چوتھی قسم بے دین لوگ ہیں ان سے معبودانِ باطلہ کے پجاری مراد ہیں۔ خواہ فرشتوں کو پوجیں یا بتوں کو یا آگ وغیرہ کو (ان کے متعلق سلف کے مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق نمازیں بھی پڑھتے ہیں بعض ان میں سے زبور بھی پڑھتے ہیں)...... ان چاروں کا نام لے کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ ان میں سے جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، صرف اس کے لئے خوشخبری ہے

﴿فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرۃ:۶۲)

''ان کے رب کے ہاں ان کے لئے اَجر ہے، ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور وہ غمزدہ نہ ہوں گے''

واضح رہے کہ ان لوگوں کا اپنے اپنے زمانہ میں ایمان اور عمل معتبر تھا مثلاً جب تک عیسیٰ علیہ السلام نہیں آئے، اس وقت تک موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر پوری طرح عامل رہے، ان کے لئے یہ خوشخبری ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد پہلی شریعت منسوخ ہوگئی، اب عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر جو پوری طرح عامل رہا، وہ اس خوشخبری کا حقدار ہے۔ اس کے بعد حضرت محمد مصطفی ﷺ تشریف لائے اور پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں، اب نجات کا دار ومدار شریعتِ محمدیہ پر عمل کرنے اور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے میں ہے۔

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے، چونکہ پہلی شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں، اس لئے صرف تین فرقوں کا ذکر کافی تھا: یہودی، عیسائی اور بے دین، چوتھا فرقہ جو اس شریعت (محمدیہ) پر ایمان لایا، اس کا

ذکر یہاں بے محل ہے کیونکہ اس شریعت پر جو ایمان لاچکے، ان کے پھر ایمان لانے (مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ) کا کوئی مطلب نہیں...... اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ ان کے ایمان لانے کا مطلب ایمان پر ہمیشگی اور ثابت قدمی ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ خاتمہ سے پہلے لایا ہوا ایمان کافی نہیں جب تک خاتمہ بھی ایمان پر نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ایمان لانے سے مراد دعویٰ ایمان ہے (جیسے منافق یا کمزور ایمان والے) اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ اس امت میں سے جن کا دعویٰ ایمان کا ہے، وہ اس خوشخبری کے اس صورت میں مستحق ہونگے کہ وہ حقیقی معنوں میں ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔

نوٹ: بیک وقت ایک لفظ کا حقیقی اور مجازی دونوں معنوں کا مراد ہونا، امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ اس کو ممنوع سمجھتے ہیں۔ اس آیت سے امام شافعیؒ کے موقف کو تائید ملتی ہے کیونکہ مَنْ آمَنَ کے دو معنی ہوں گے: پہلے فرقے کے حق میں اس کے معنی ہوں گے "جو ایمان پر ثابت قدم رہے"...... یہ آمَنَ کے مجازی معنی ہیں اور باقی فرقوں کے حق میں ہوں گے جو ایمان لائے اور یہ آمَنَ کے حقیقی معنی ہیں تو گویا اس لفظ میں حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

شانِ نزول

ان آیات کا شانِ نزول حضرت سلمان فارسیؓ اور ان کے ساتھی ہیں۔ ان کی عمر مذہب مجوس پر اور کچھ عیسائیت پر گزری پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام نصیب کر دیا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آپؓ اپنے ساتھیوں کا ذکر کر رہے تھے کہ "وہ نمازیں پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے اور آپ پر ایمان لاتے تھے اور اس بات کی شہادت دیتے تھے کہ آپ آخری نبیؐ ہوں گے" ان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ جہنمی ہیں (کیونکہ وہ یہ کام کسی شریعت کے تحت نہیں کرتے تھے)۔ حضرت سلمان فارسیؓ شدید غمگین ہوئے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری جس سے اس طرف اشارہ کیا کہ جس نبی کا زمانہ ہو اور اس نبی کی شریعت پر عمل کرتے ہوئے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، اس کے لئے یہ خوشخبری ہے، نہ اپنے طور پر کسی کام کو اچھا سمجھ کر کرنے لگ جائے۔ چنانچہ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ کے آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾

"جو شخص اسلام کے سوا کوئی دین ڈھونڈے پس اس سے ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔" (آل عمران:۸۵)

الفاظ کی تشریح

﴿مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ میں چونکہ ایمان لانے کے ساتھ اَعمال

کو علیحدہ ذکر کیا گیا ہے، اس لئے یہاں ایمان سے مراد اعتقاد ہے لیکن صرف اعتقاد نجات کے لئے کافی نہیں، اس لئے ساتھ اَعمال کا بھی ذکر کیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان سے مراد عام ہو جس میں اَعمال بھی داخل ہوں اور اَعمال کو الگ ذکر کرنا ان کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہو جس طرح اس آیت میں ہے ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾

"یعنی جو شخص اللہ کا، فرشتوں کا، رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو پس بے شک اللہ تعالیٰ دشمن ہے واسطے کافروں کے۔" (البقرۃ:۹۸)

دیکھئے، اس آیت میں فرشتوں کا ذکر کرنے کے بعد جبرئیل اور میکائیل کا مستقل ذکر صرف ان کی بزرگی اور بڑائی کے لئے کیا گیا ہے۔ اسی طرح اعمال کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی، اعتقاد کو بھی نجات کے لئے کافی سمجھ لیا جاتا ہے، اس وجہ سے اَعمال میں سستی واقع ہوتی ہے۔ ان کے الگ ذکر کرنے سے نجات کے لئے ان کی اہمیت ظاہر ہوگی۔

عمل صالح کی تین شرطیں ہیں: ایک، اعتقاد کا صحیح ہونا، دوسرے، شریعت کے موافق ہونا تیسرے، اخلاصِ نیت۔ اعتقاد کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عمل کرنے والا توحید ورسالت پر ایمان رکھتا ہو اور شریعت کے موافق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عمل بدعت نہ ہو، شریعت میں اس عمل کا ثبوت ہو۔ اخلاصِ نیت کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ کی رضا کے لئے ہو کسی کے دباؤ یا لحاظ یا دکھلاوے کے لئے نہ ہو۔

﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ حزن، غم، خوف اور فکر میں فرق یہ ہے کہ حزن اس چیز پر ہوتا ہے جو فوت ہو گئی ہو۔ خوف اور فکر آئندہ چیز کا ہوتا ہے جیسے تجارت میں کہیں نقصان نہ ہو جائے اور غم عام ہے گذشتہ چیز پر بھی ہوتا ہے جیسے کسی کا کوئی عزیز فوت جائے اور آئندہ کا بھی جیسے کہیں امتحان میں ناکام نہ ہو جاؤں۔ يَحْزَنُونَ کا باب دو طرح سے آتا ہے ایک حَزَنَ يَحْزُنُ بروزن نَصَرَ يَنْصُرُ اس کا مصدر حُزن ہے جس کے معنی ہیں دوسرے کو غمگین کرنا چنانچہ قرآن میں ہے ﴿لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ یعنی "تجھے وہ لوگ نہ غمگین کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں"...... دوسرا باب حَزِنَ يَحْزَنُ بروزن سَمِعَ يَسْمَعُ سے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ فعل لازم ہے یعنی اس کے معنی غمگین ہونے کے ہیں۔ اس آیت میں یہی دوسرا یعنی فعل لازم مراد ہے۔

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم کیے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں اور عیسائیوں کے اَعمال بھی اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک وہ آپ کی نبوت کا اقرار نہ کریں۔ کتاب وسنت کے نصوص اس امر پر واضح شواہد ہیں۔ قرآن میں ہے ﴿وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ﴾ صحیح مسلم میں ہے کہ "کافر کیلئے اعمالِ خیر کی جزا صرف دنیا میں ہے، آخرت میں نہیں"

پروفیسر مسز ثریا علوی

آیتِ کریمہ ﴿اِنْ اُرِیْدُ اِلاَّ الاِصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ کی روشنی میں

حضور ﷺ کا اِصلاحِ معاشرہ ☆

یہ آیتِ کریمہ ﴿ اِنْ اُرِیْدُ اِلاَّ الاِصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ سورۂ ہود کی آیت نمبر ۸۸ کا ایک جزء ہے جس میں حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی کٹ حجتیوں کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"میں جو وعظ و تبلیغ کرتا ہوں اس کا مقصد حتی المقدور اصلاحِ معاشرہ کے سوا کچھ بھی نہیں اور میں یہ کام اللہ کی توفیق سے ہی سرانجام دے سکتا ہوں، اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

۱۔ نکتۂ توحید: سورہ ہود کا یہی پورا رکوع (آیات ۸۴ تا ۹۰) پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز نکتۂ توحید سے کیا تھا، جس سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے کہ وہ قوم شرک میں مبتلا تھی، وہ کم ماپ تول کرتی تھی، اِسی کو اللہ نے فساد فی الارض کا نام دیا ہے۔ اس فساد فی الارض میں قتل خونریزی، ڈاکہ، راہزنی سبھی چیزیں آجاتی ہیں۔ ہر قسم کے معاشرتی بگاڑ کا علاج عقیدۂ توحید کو پختہ کرنے سے ہوتا ہے۔

۲۔ اس رکوع سے انبیاء کے اندازِ تبلیغ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ شیریں زبانی کے ساتھ مدلل انداز اختیار کرتے ہیں۔ اُن کو یہ نہیں کہا کہ تم ظالم اور غاصب ہو جو ایک دوسرے کا مال کھا جاتے ہو بلکہ فرمایا کہ تم تو بڑے آسودہ حال ہو۔ اگر تم ایسا نہ کرو تب بھی اللہ نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے اور یہ بھی جان لو کہ جو مال حلال اور جائز طریقے سے حاصل ہو۔ برکت اسی میں ہوتی ہے۔

۳۔ مکافاتِ عمل: توحید کے بعد انبیاء کی تعلیم کا دوسرا جزء عقیدۂ مکافاتِ عمل یا قانونِ جزا و سزا ہے جس کا اندازہ بعض اوقات اِس دنیا میں ہی ہو جاتا ہے۔ مگر مکمل شکل میں اس کا ظہور روزِ قیامت کو ہوگا۔

اس دعوت کا شعیبؑ کی قوم نے انہیں یہ جواب دیا ﴿لاَ نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِمَّا تَقُوْلُ﴾

"اے شعیبؑ! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں......" (سورۂ ہود:۹۱)

اگر تم چاہو تو اپنے رب کی نماز پڑھتے رہو، ہم نہیں روکتے یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔ مگر ہمارے کاروباری معاملات میں نکتہ چینی کرنے کا تمہیں کیا حق ہے......؟

☆ انعام یافتہ مضمون...... قومی سیرت کانفرنس ۸۷ء

قوم کے اس جواب سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عام لوگ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ معاشرتی خرابیوں کا بنیادی علاج عقیدۂ توحید اور عقیدۂ مکافاتِ عمل، جزاوسزا کی پختگی ہے۔ انہی عقائد سے انسان میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو معاشرتی برائیوں کے سدِباب کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جہاں متقی شخص خود برے کاموں سے اجتناب کرتا ہے۔ وہاں وہ دوسروں کو بھی ایسے کاموں سے روکتا اور ارتکاب کرنے والوں کو دینی فریضہ سمجھتے ہوئے روکنے پر مجبور ہوتا ہے۔ پھر بگڑی ہوئی قوم کو انبیاء کی بات راس نہیں آتی کیونکہ لاالہ الااللہ کی زد براہِ راست تمام طاغوتی سرکاری درباری حضرات اور چودھری ٹائپ لوگوں پر پڑتی ہے۔ اس لئے مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں اور ایمان لانے والا طبقہ وہ کمزور غریب اور ان کے ظلم وجور کی چکی میں پسنے والا ہوتا ہے، پھر انبیاء کے ساتھ اُن کو بھی اپنی قوم کی مخالفت اور سختیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

اسی سے ایک اور نکتہ بھی نکلتا ہے، کہ انبیاء کرام کی بعثت کا صحیح وقت وہ ہوتا ہے جب معاشرہ ظلم وجور سے بھر جاتا ہے اور ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (الروم:۴۱) کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ پھر ان تمام پیغمبروں کی دعوتِ طریق اصلاح، مقصدِ تبلیغ اور طریق کار ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

مزید برآں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے انسانوں میں جتنی بھی اصلاح و تعمیر ہوتی ہے، وہ سب انبیاء و رسل علیہم السلام کی اَن تھک مساعی کا نتیجہ ہے۔ اس جماعت نے دنیا کی تعمیر میں اہم اور ٹھوس کردار ادا کیا۔ خلوصِ نیت، حسن کردار اور خیر خواہی کے ساتھ وہ خدا کی طرف سے عطا کردہ ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔ خود مصائب جھیل کر اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کرکے انسانی زندگی کو آراستہ کرتے رہے اور اُن میں نکتۂ توحید کی بنا پر خدا ترسی اور اپنے بھائی بندوں کی بہتری اور بھلائی کا شعور پیدا کرتے رہے۔

انبیاء ورُسل کی جماعت میں سے ممتاز ترین اور برگزیدہ ترین حیثیت نبی آخر الزمان ﷺ کی ہے پہلے انبیاء کی اِصلاح جزوی اور وقتی ہوتی تھی، آپ ﷺ نے ان کی اِصلاح کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور قرآن کی مشعل ہاتھ میں لے کر ایک مکمل اور ہمہ گیر انقلاب بپا کیا۔ ایسا انقلاب جس نے انسان کو اندر سے بدل کر رکھ دیا اور اس کے عقائد، نظریات، جذبات واِحساسات اور اخلاق و کردار غرض ہر چیز کی اِصلاح کی۔ آپ ﷺ کی زندگی قرآنِ کریم کے اَبدی اصولوں کی عملی تفسیر ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی اِصلاح کے اس مقدس پیغام کی تکمیل ہے جس کا درس حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور جملہ انبیاء علیہم السلام اَپنے اَپنے دور میں دیتے رہے۔

بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت جاہلی معاشرہ کی مختصر کیفیت

آپ ﷺ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا، جب دنیا میں ہر طرف شرک اور بت پرستی کا دور دورہ

تھا۔ خالص توحید بالکل معدوم ہو چکی تھی۔ عرب معاشرہ میں غلاموں کا حال بہت برا تھا۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا اور تمام کمزور طبقے طاقتوروں کے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔ ہر وقت قتل و غارت کا بازار گرم رہتا۔ معمولی معمولی باتوں پر صدیوں تک لڑائیاں چلتی رہتیں۔ شراب نوشی، قمار بازی اور بے حیائی کا عام دور دورہ تھا۔ یہودیوں نے پورے عرب میں سود کا جال بچھا رکھا تھا۔ جزیرہ نما عرب سے باہر اُس دور کی دونوں بڑی سلطنتیں یعنی روم و ایران بھی زوال پذیر تھیں۔ اس لئے رومی اور ایرانی تہذیبیں بھی دَم توڑ رہی تھیں۔ یہاں بادشاہ، جاگیر دار طبقہ اور مذہبی رہنما تینوں خدا بنے ہوئے تھے اور عوام ان کے بھاری ٹیکسوں، رشوتوں اور نذرانے کے بوجھ تلے دم توڑ رہے تھے۔ عدل و اِنصاف ختم ہو چکا تھا اور زور آور کمزوروں کو دبا کر رکھتے تھے۔ قرآن کریم نے اس دور کی صورت حال پر یوں تبصرہ فرمایا ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ﴾ (الروم:۴۱)

یعنی "لوگوں کے کرتوتوں کی بنا پر خشکی و تری ہر جگہ فساد رونما ہو چکا ہے۔"

الطاف حسین حالیؔ اپنی 'مسدس' میں لکھتے ہیں......

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اِک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
جوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی — شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی — غرض ہر طرح اُن کی حالت بری تھی

اِن حالات میں آنحضور ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ ابتدائے عمر ہی سے نہایت پاکباز اور صلح کل انسان تھے۔ سب لوگوں کے کام آتے۔ آپ کو کم عمری میں ہی اپنی دیانتداری اور راست بازی کی بنا پر صادق اور امین کا خطاب مل چکا تھا۔ آپ ﷺ نے پندرہ برس کی عمر میں حِلْفُ الْفُضُوْل میں شرکت فرمائی۔ تاکہ آئندہ کے لئے اپنے ماحول میں لڑائی جھگڑے کا قلع قمع کر سکیں۔ پینتیس برس کی عمر میں اپنے دستِ مبارک سے حجر اسود خانہ کعبہ کی دیوار میں ثبت کر کے آپ ﷺ نے ثابت کر دیا کہ بڑی بڑی لڑائیاں حسن تدبیر اور دانشمندی سے روکی جاسکتی ہیں۔

پھر جب آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اِن الفاظ میں آپ کی دلجوئی کی...... (اور بیوی کی شہادت سے بڑھ کر کس کی شہادت سچی ہو سکتی ہے):

"میں دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ اقرباء پر شفقت فرماتے، سچ بولتے، راندوں، یتیموں اور بیکسوں کی مدد کرتے، مہمان نوازی فرماتے اور مصیبت زدوں سے ہمدردی فرماتے ہیں، خدا آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا"

قارئین! خود تصور فرمائیں کہ جس انسان کی زندگی نبوت سے قبل اتنی تعمیری اور اصلاح کن

تھی، اس نے پیغمبری کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ربّ العالمین کی توفیق اور نصرت سے کتنا عظیم الشان اصلاحی کارنامہ انجام دیا ہوگا۔

وہ دانائے سبل، وہ ختم الرسل، وہ مولائے کل جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

اصلاح کا نقطۂ آغاز

اسلامی نقطۂ نظر سے اصلاح کا مرکزی نکتہ عقیدۂ توحید ہے جس سے اتباعِ رسالتؐ اور ایمان بالآخرت کے تصورات وابستہ ہیں اور یہ عقیدہ توحید کے لازمی تقاضے ہیں۔ اس اعتبار سے عقیدۂ توحید کو تین نکات میں منقسم کیا جاسکتا ہے: ۱۔ عقیدۂ توحید، ۲۔ اتباعِ رسالت، ۳۔ یقین آخرت

آپ کی تعلیم کا نکتۂ آغاز "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تھا۔ اس کلمہ کو کلمۂ طیبہ کہا جاتا ہے۔ اس کے پہلے جز سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا اس کے سوا کسی کی پوجا اور پرستش نہ کرو۔ بندگی اور بے چون وچرا عبادت بھی صرف اسی کی کرو۔ اسی کے حکم کو حکم اور اسی کے قانون کو قانون مانو۔ اور اس کے سوا کسی کا اِقتدارِ اعلیٰ تسلیم نہ کرو، اِس کلمہ کے دوسرے جز سے مراد ہے کہ انسان کی رُشد وہدایت کا واحد ذریعہ وہ سلسلۂ نبوت ورسالت ہے جو اللہ نے قائم فرمایا ہے، اور اصل علم وہی ہے جو اللہ نے وحی کے ذریعے اپنے پیغمبروں کے واسطے سے انسان تک پہنچایا ہے، اور حضرت محمد ﷺ اس سلسلۂ رسالت کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ اب زندگی میں راہنمائی صرف آپ ﷺ ہی کے واسطے سے حاصل ہوسکتی ہے اور انسانیت آپ ﷺ ہی کی اتباع سے راہِ ہدایت پر گامزن ہوسکتی ہے۔

یہ کلمہ یعنی نکتۂ توحید اور اتباعِ رسالت محض ایک مذہبی عقیدہ ہی نہیں، انفرادی طرزِ عمل کے لئے ہدایت ہی نہیں بلکہ اس پورے نظامِ اخلاق وتمدن کی بنیاد ہے جو مدینہ طیبہ پہنچ کر آپ ﷺ نے عملاً قائم کردکھایا۔ اس معاشرہ کی عمارت اسی نظریہ پر اٹھائی گئی تھی کہ اللہ جل شانہ ہی ملکُ الملوک اور شہنشاہ ہے اور اسی کی عطا کردہ شریعت ہی ملک کا قانون ہے اور تمام معاشرتی بگاڑ کی اصلاح اسی نکتہ کی مضبوطی سے ممکن ہے، ساتھ ﴿بِالاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (البقرہ:۴) پر زور دیتے ہیں کہ جتنا عقیدۂ جزاوسزا مضبوط ہوگا، اتنا ہی انسان غلط روی اور فسادِ فکر وعمل سے بچے گا۔

آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد قرآن کی روشنی میں

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

"وُہی تو ہے جس نے ہدایت اور نظامِ حق دے کر اپنے رسول کو بھیجا۔ تاکہ اُس ہدایت اور دین حق کو باقی نظامہائے حیات پر غالب کردے۔" (سورۃ الصف:۹)

گویا آپ ﷺ کی بعثت کا مقصدِ وحید اپنی لائی ہوئی ہدایت اور نظامِ حق کی بنیاد پر پوری انسانی

زندگی کی اصلاح کر کے خدا کے قوانین کو عملاً جاری کرنا تھا۔ بلکہ وسیع معنوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ تمدنی اصلاح اور انسانیت کی تعمیر نو کرنے آئے تھے۔ اس غرض کے لئے جس قائدانہ بصیرت اور اعلیٰ درجے کے سیاسی شعور اور حسن تدبر کی ضرورت تھی، ان سب صفات سے آپ کی ہستی بدرجہ اُتم مالامال تھی۔

ہمیں اس مقصد کا پورا عکس اِس بیعت میں نظر آتا ہے، جو آپ ﷺ دوسروں کو مشرف باسلام کرتے وقت اُن سے لیا کرتے تھے...... اس بیعت کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے......(۲) ہم چوری نہیں کریں گے......(۳) زِناکاری نہیں کریں گے......(۴) اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے......(۵) ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے...... اور (۶) ہر اچھی بات میں آپ ﷺ کی اطاعت کیا کریں گے۔

حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر...... نجاشی شاہِ حبش کے دربار میں

آنحضور ﷺ کی تعلیم سے آپ کے پیروؤں میں جو انقلاب رونما ہونا شروع ہوا، اُس کی ایک جھلک ہمیں حضرت جعفر طیارؓ کی اُس تقریر میں نظر آتی ہے جو اُنہوں نے ہجرتِ حبشہ کے بعد نجاشی شاہِ حبش کے دربار میں کی تھی۔ جبکہ قریش مکہ کا وفد، شاہ سے اُن کی واپسی کا مطالبہ کر رہا تھا۔

آپؓ نے فرمایا ......

"اے بادشاہ ہم جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اِسی اثنا میں خدا نے ہم میں ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب نسب، دیانتداری، سچائی، تقویٰ اور پاکیزگی سے ہم خوب آگاہ تھے۔ اُس نے ہمیں توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ ہم اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، سچ بولیں، وعدہ پورا کریں، گناہوں اور برائیوں سے بچیں۔ خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام پہنچائیں، ضعیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، صدقہ دیا کریں۔

ہم اُس پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی، تمام اَعمالِ بد سے باز آگئے، ہماری قوم اِس بات پر ہم سے بگڑ بیٹھی ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ ہم دوبارہ بتوں کی پوجا کرنے لگ جائیں۔ ہم نے اِنکے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ آخر مجبور ہو کر تیرے ملک میں پناہ لینے آئے ہیں"

اصلاحِ معاشرہ کے لئے راہنما اُصول...... جو آپ ﷺ نے دیئے

اس مختصر مقالہ میں ان تمام اُصولوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ تاہم چند ایک بطورِ نمونہ پیش

کیے جاتے ہیں: انبیاء کے ہاں معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کا اوّل و آخر ذریعہ عقیدۂ توحید کی پختگی ہوتا ہے۔

نظام عقائد: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ اَلاَّ تَعْبُدُوْا اِلاَّ اِيَّاهُ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:۲۳)"آپ ﷺ کے رب نے حکم دے دیا کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔"...... ذاتی اور ملکی، انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے معاملات میں اُسی کا حکم ماننا اور اُسی کے فرمانبردار رہنا۔ متعدد بار قرآنِ پاک میں حکم دیا گیا ہے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کہ "اللہ سے ڈرتے رہنا، ہر کام اُس سے ڈرتے ہوئے انجام دینا۔"

اِسی طرح رسولوں، پیغمبروں پر ایمان لانا اور اُن کی اطاعت کرنا لازمی قرار دیا......

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (سورۃ الانفال:۲۰)

"اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔"

پھر آخرت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، فرمایا: ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (البقرۃ:۴) "اہل ایمان آخرت پر یقین رکھتے ہیں" کہ ہر انسان کو اپنے اچھے برے اعمال کا روزِ قیامت حساب دینا ہوگا اور پھر اس کے مطابق اُسے جزا و سزا ملے گی۔

توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانا، آپ ﷺ نے تمام متبعین کے لئے لازمی قرار دیا۔ پھر آسمانی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانا بھی لازمی ہے۔ اِن پانچوں عقائد کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ جب تک کوئی ان پانچوں عقائد پر ایمان نہ لائے وہ اِسلامی معاشرہ کا فرد نہیں بن سکتا۔ دراَصل انسان کی عملی زندگی میں ایک قابلِ اعتماد نظم و ترتیب اُسی وقت ہی پیدا ہو سکتی ہے جب وہ مستقل سیرت رکھتا ہو اور سیرت سازی کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کا ذہن پراگندہ خیال سے پاک ہو اور چند مخصوص تصورات اُس میں راسخ ہو جائیں۔ یہ تصورات جتنے زیادہ گہرے اور راسخ ہوں گے، اس کی سیرت اتنی ہی مضبوط اور اس کی عملی زندگی اتنی ہی زیادہ منظم ہوگی۔

نظامِ عبادات: شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا اور بشرطِ استطاعت حج ادا کرنا۔ یہ سب عبادات اجتماعی طور پر ادا کرنا لازم ہیں۔ یہ نظم و ضبط کا عملی درس ہے۔

نظامِ اخلاق: ﴿قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرۃ:۸۳)"لوگوں سے اچھی بات کہو۔"

﴿قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْدًا﴾ (الاحزاب:۷۰)"سیدھی بات کہو۔"...... آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إنما بُعثت لاتمم مكارم الأخلاق" "میں تو عمدہ اخلاق کی تکمیل کرنے کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔"

(۱) نظم اجتماعی: ﴿وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ (الانفال:۱)

"آپس کے معاملات درست رکھو۔"...... اسی لئے والدین، رشتہ دار، ہمسائے، مساکین، یتامیٰ، غلام اور مسافر سب سے حسبِ مراتب حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۲) اُخوت: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰)

"سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"...... بلاامتیاز، رنگ و نسل، زبان و قوم جس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا وہ اسلامی برادری کا رکن اور بھائی ہے۔

(۳) مساوات: ہر کلمہ گو اسلام میں داخل ہونے کے بعد مساوی حیثیت رکھتا ہے اور سب یکساں سلوک کے مستحق ہیں۔ اَمیر و غریب، آقا و غلام، مالک و مزدور، آجر و مستاجر، کارخانہ دار و مزدور، عرب و عجم اور گورے و کالے کے امتیازات باطل ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات)

"ہم نے تمہارے قبیلے اور خاندان اسلئے بنائے کہ تم آپس میں تعارف حاصل کرسکو ورنہ اللہ کے نزدیک تم میں سے معزز ترین شخص وہ ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔"

(۴) عدل: ﴿فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (الانعام:۱۵۲)

"انصاف کرو...... اگرچہ اس کی زد اپنے رشتہ داری پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔"

(۵) تعاون علی البر: ﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ المائدہ

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں باہمی تعاون کرو اور گناہ و نافرمانی کے کاموں میں تعاون نہ کرنا"

(۶) باہمی مشورہ: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ﴾ (آلِ عمران:۱۵۹) "اپنے ساتھیوں سے معاملات میں مشورہ کیجئے"...... سورۂ شوریٰ میں ارشادِ ربانی ہے ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ "مؤمنوں کے تمام معاملات آپس کے مشورے سے طے پاتے ہیں۔" یہ آیات اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد ہیں۔

(۷) سمع و اطاعت: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء:۵۹) "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حاکموں کی بھی اطاعت کرو۔"...... آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم پر جو حاکم بنایا جائے، اس کی اطاعت کرو، اگرچہ یہ نکٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔"

(۸) جوابدہی: ہر فرد اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے: ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (النجم:۳۸) "کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔" بلکہ ﴿لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ "ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل"...... اور فرمایا: ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) "ہر نفس نے جو اچھے کام کئے، اس کی جزا پائے گا اور جو برے کام کئے، ان کی سزا بھی خود ہی بھگتے گا"...... نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

کسی بھی معاشرہ کے استحکام کا انحصار اس بات پر ہے کہ معاشرے کے تمام افراد آپس میں متحد ہوں۔ ایک دوسرے کے کام آئیں اور خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار ہوں۔ آنحضور ﷺ کے لائے ہوئے نظام کا کمال یہ ہے کہ یہاں نصبُ العین کی وحدت نے تمام افرادِ معاشرہ کو کس طرح آپس

میں جوڑ دیا ہے۔ ہر فرد کی منزلِ مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ ہر فرد ذاتی زندگی میں ہی رضائے الٰہی کا طالب ہے اور وہ دوسروں کے ساتھ بھی جڑنے پر اسی لئے مجبور ہے کہ اُس کو خدا نے حکم دیا ہے اور معاشرہ سے کٹنے سے خدا نے منع فرمایا ہے۔ یکساں عقائد ہونے کی وجہ سے سارے معاشرے میں فکر کی وِحدت جاری وساری ہے اور یکساں عبادات ہونے کی وجہ سے وِحدتِ عمل بھی موجود ہے، اسی وِحدت فکر و عمل نے اسلامی معاشرہ کو بہت مضبوط کر دیا، اور بالکل جسدِ واحد بنا دیا کہ "اگر جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور کم خوابی میں اس کا ساتھ دیتا ہے" اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا: "یشُدّ بعضُه بعضا" کہ "اِسلامی معاشرہ میں ہر فرد دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔" (حدیث)

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز — نہ کوئی بندہ رہا، نہ کوئی بندہ نواز

قارئین، غور کیجئے! یہ راہنما اصول کس طرح فرد ومعاشرہ دونوں کی بہترین انداز میں اصلاح اور سیرت سازی کر رہے ہیں۔ کیا رشوت یا ماپ تول کی کمی کی خرابی کا انسداد اس طریقے سے ہو سکتا ہے کہ محکمہ انسدادِ رشوت ستانی قائم ہو جائے اور پھر اس کی کارکردگی جانچنے کے لئے اس پر ایک اور کمیشن بٹھا دیا جائے یا کہ اس طرح کے متقی اصحاب کو آگے لایا جائے۔

اصلاح کے میدان میں قابل قدر کارنامہ وہی سرانجام دے سکتا ہے، جو اپنے پیش کئے گئے اُصولوں پر خود عمل کر کے دکھائے، جو انسان صرف اُصول پیش کر دے اور ان کا عملی نمونہ مہیا نہ کرے وہ مفکر اور دانشور تو ہو سکتا ہے مگر مصلح نہیں ہو سکتا۔ آنحضور ﷺ کے کام کا نمایاں پہلو ہی یہی ہے کہ آپ خود سب سے پہلے اپنی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے تھے اور دوسروں کو اپنا عملی نمونہ پیش کرنے کے بعد ہدایت قبول کرنے کی دعوت دیتے۔ اسی لئے ربُ العزت کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾

"تم میں سے جو کوئی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اُس کے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ عمل موجود ہے۔" (الاحزاب:۲۱)

....

انسانی معاشرے کی اِصلاح بہت مشکل کام ہے چونکہ اِس عقیدہ کی زد معاشرہ کے سرکردہ افراد پر پڑتی ہے اس لئے اُن کی مخالفت سہنا پڑتی ہے۔ آخر برسوں کے جمے جمائے نظریات اور عادات کو بدل کر اعلیٰ درجے کے نظامِ فکر و عمل کا پابند بنانا کوئی آسان کام تو نہیں۔ جتنا یہ کام عظیمُ الشان ہے، اتنی اس کے لئے محنت، کوشش، عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کو بہت ستایا گیا۔ آپ ﷺ کے اوپر کوڑا پھینکا گیا، پتھر مارے گئے، آوارہ بدمعاش غنڈے آپ ﷺ کے پیچھے لگائے گئے، مجنون، جادوگر اور کاہن کہا گیا۔ جسم مبارک لہولہان کیا گیا۔ شعب ابی طالب میں تین برس تک محصور کیا گیا، معاشرتی و معاشی بائیکاٹ کیا گیا۔ پھر جان سے مارنے کی تدبیریں

کی گئیں۔ وقتاً فوقتاً ہر قسم کے لالچ دے کر بھی آپ ﷺ کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ آپ ﷺ کے اپنے الفاظ میں "جتنا مجھے ستایا گیا، اُتنا کسی کو نہیں ستایا گیا" مگر اس سب کچھ کے باوجود آپ ﷺ اپنے عظیم مشن سے پیچھے نہ ہٹے۔

مکہ کی مسلسل تیرہ سالہ جدوجہد کے نتائج جب خاطر خواہ نہ نکلے تو بحکم الٰہی وطن مالوف کو چھوڑ کر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہاں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے آپ ﷺ کو کامیابی عطا فرمائی اور پہلی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ مدینہ کے دس سالہ قیام کے دوران تمام دشمنوں سے مختلف محاذوں پر کشمکش ہوتی رہی۔ مگر اللہ نے ہر مقام پر آپ کو سرخرو فرمایا۔ مکہ سے ہجرت کے صرف آٹھ سال بعد آپ ﷺ اِسی مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے۔ دس ہجری میں حجۃ الوَداع کے موقعہ پر آپ ﷺ نے عرفات کے میدان میں اپنی پوری تعلیم کا نچوڑ فرزندانِ توحید کے سامنے پیش کردیا۔ اَب آپ ﷺ کا مشن مکمل ہوچکا تھا۔ آپ ﷺ بندوں کو خدا کے قریب اور قوموں کو قوموں کے قریب لاچکے تھے۔ اُمیر غریب، کالے گورے، آقا غلام، فاتح مفتوح کا فرق مٹا چکے تھے، لہٰذا آپ ﷺ بڑے اطمینان سے ۱۱ ہجری میں عالم بالا سے جاملے...... اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ

آپ ﷺ نے اپنا مشن بڑی خوش اُسلوبی، اِستقامت، صبر اور تحمل سے انجام دیا اور پوری عمر کی عرق ریزی اور جانفشانی سے لاکھوں انسانوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالا۔ اخلاق کی پستیوں سے اُٹھایا۔ رنگ و نسل اور زبان کے امتیاز کو ختم کیا۔ بلکہ جاہلیت کی تمام غلط رسموں اور طریقوں کو مٹایا۔ خدائے واحد کی بندگی کے لئے اُن کو تیار کیا، ان میں آخرت کی جوابدہی کا احساس راسخ کیا۔ عورتوں کی قدر و منزلت کو بلند فرمایا۔ غلاموں کا درجہ آقاؤں کے مساوی بنایا۔ حلال روزی کی تلقین کی۔ سود، رشوت اور نذرانوں سے روکا اور تمام مکارمِ اخلاق کی تربیت دے کر ایک خاص قسم کا کردار اُن میں پیدا کیا پھر اس پوری عمارت کو سہارا دینے کے لئے، شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج جیسی روح پرور اور اَخلاق آموز عبادات کا اُن کو خوگر بنایا۔ حق تو یہ ہے کہ آپ نے پورے انسان کو اندر اور باہر سے، ظاہر اور باطن دونوں کو بدلا۔ ان میں خوفِ خدا، حسن نیت اور رضائے الٰہی کے حصول کا وہ جذبہ پیدا کیا جو مسجد، گھر، بازار، عدالت، تعلیم، میدانِ جنگ ہر جگہ یکساں طور پر کار فرما تھا یہ ایک ہمہ گیر تعمیر اور عالمگیر اصلاح تھی۔ جس کی مثال نہ کبھی پہلے ملی، نہ بعد میں ملے گی۔

تعمیر کے اس سارے کام میں رحمت، نرم دلی اور نرم خوئی کا عنصر غالب رہا، اسی لئے اللہ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا خطاب عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

"میں تمہیں دوزخ کے کنارے سے کمر سے پکڑ کر باہر نکالنا چاہتا ہوں اور تم ہو کہ پروانوں کی طرح بے تحاشا اس میں گرتے چلے جاتے ہو" (متفق علیہ، مشکوٰۃ: باب الاعتصام بالکتاب والسنہ)

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے گالیاں کھا کر بھی دعائیں دیں۔ پتھر کھا کر بھی حسن سلوک کیا۔

آخر دس لاکھ مربع میل پر مشتمل وسیع اسلامی ریاست قائم فرمائی۔ اس تمام کام کے دوران آپ ﷺ نے صرف دو قیدیوں کو اُن کے سنگین جرائم کی پاداش میں قتل کروایا اور سب سے بڑھ کر تعجب خیز امر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے کسی کو بھی نشانہ نہ بنایا۔ بلکہ فتح مکہ کے موقع پر اس عظیم الشان معافی کا اظہار فرمایا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

نبی اکرم کے قائم کردہ اصلاحی معاشرہ کی تصویر

قرآنِ پاک اس اِسلامی معاشرہ کی تصویر یوں کھینچتا ہے...... سورۂ فتح میں اِرشاد ہوتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ......الخ﴾

"محمد ﷺ جو اللہ کے رسول ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھی حق کی مخالفت کرنے والوں کے مقابلے میں سخت ہیں اور آپس میں نرم خو، تو اُنہیں اللہ کے حضور رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے، یہ لوگ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے خواہاں ہیں۔ اِن کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان نمایاں ہیں۔ اِن کا یہی نقشہ توراۃ میں پیش کیا گیا ہے اور یہی نقشہ انجیل میں بھی ہے جیسے کوئی پودا ہو، وہ اپنی کونپل نکالے پھر وہ مضبوط ہو اور موٹا ہو پھر تن آور درخت بن جائے اور کسانوں کو بھی بھلا معلوم ہونے لگے۔" (سورۂ فتح:۲۹)

خود آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کی تعریف یوں فرمائی:

"اَصْحَابِىْ كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم"

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ تم اِن میں سے جس کی اقتدا کرو گے، ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے"...... (یہ روایت ضعیف ہے لیکن مفہوم کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے۔)

ایک صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اس معاشرہ کی تصویر اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "وہ تمام لوگوں میں پاکیزہ ترین دل والے، عمیق ترین علم رکھنے والے اور کم سے کم تکلف کرنے والے تھے" روایات میں آتا ہے کہ شاہِ روم ہرقل نے لگاتار فوجی تعداد اور اسلحہ کی کثرت کے باوجود شکستیں کھانے کے بعد از راہِ حیرت اپنے سپہ سالار سے اصحابِ محمد ﷺ کی صفات پوچھیں تو اُس نے جواب دیا کہ "وہ لوگ رات کو شب زندہ دار عابد ہوتے ہیں اور دن کو گھوڑے کی ننگی پشت پر شہادت کے خواہاں" یہی وجہ ہے کہ قلتِ تعداد اور کمی اسلحہ کے باوجود تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے دونوں سپر پاورز روم اور ایران کو نیست و نابود کر دیا...... اِس اِسلامی معاشرہ کے ایک دو افراد کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجۂ محترمہ کو ایک مرتبہ کوئی میٹھی چیز کھانے کی خواہش ہوئی تو انہوں نے روزانہ کے خرچ سے تھوڑا تھوڑا پس انداز کر کے کئی دنوں کی محنت کے بعد ایک میٹھا

کھانا تیار کر لیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے وہ رقم بیت المال کو واپس کر دی اور روزانہ کے وظیفہ سے اتنی رقم کم کرا دی۔ انہوں نے فرمایا کہ تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ اتنی رقم زائد تھی اور اس سے کم میں آلِ ابو بکرؓ کا گزارا ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کا بیت المال اس لئے نہیں کہ اس سے حاکم کا خاندان عیش کرے۔ آپؓ نے اپنے انتقال سے پہلے وصیت فرمائی تھی کہ

"میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کا قرض (جو میں خلیفہ بننے کے بعد اپنے گزارے کے لئے لیتا تھا) ادا کر دینا اور جو باقی بچے وہ حضرت عمر بن الخطابؓ کو بھیج دینا۔"

آپ نے بہت سے بادشاہوں اور منتخب حکمرانوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہو گی اور ان کے شاہانہ کروفر کا تماشا دیکھا ہو گا۔ اب ذرا امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ کے سفر شام کے سرکاری دورے کی روداد سنئے جو ساتویں صدی عیسوی کے سب سے زیادہ طاقتور فرمانروا تھے اور جن کا نام سن کر ہر قل شاہِ روم اپنے محل میں بھی لرز اٹھتا تھا۔ جب بیت المقدس فتح ہوا تو آپ خود رومیوں کے بلانے پر وہاں گئے۔ تو حال یہ تھا کہ خاکستری رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے۔ دھوپ کے باوجود سر پر کوئی ٹوپی یا عمامہ نہ تھا۔ اونٹنی کے اوپر ایک موٹا کپڑا ڈال رکھا تھا جسے پڑاؤ کے وقت اُتار کر نیچے بچھا لیتے۔ پیوند لگا کرتا پہنے ہوئے تھے، غلام بھی ساتھ تھا۔ باری باری سفر کرتے ہوئے جب بیت المقدس پہنچے تو اس وقت غلام اپنی باری کے مطابق اونٹ پر سوار تھا۔ مسلمانوں کے سپہ سالار نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو ایک ریشمی قمیص اور سواری کے لئے ایک اچھا گھوڑا پیش کیا اور ساتھ عرض کی کہ آپ شاہِ عرب ہیں اور یہاں کے لوگوں میں اونٹ کی کوئی اہمیت نہیں، اگر آپ یہ قمیص پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہو جائیں تو اہل روم اس سے متاثر ہوں گے۔ آپؓ نے فرمایا:

نحن قوم اعزنا الله بالاسلا م فلا نطلب العزة إلا فيه

"ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے، اب ہم اسلام کے طریقوں کے سوا کسی اور طرح سے عزت کے قطعاً خواہاں نہیں"

چنانچہ اپنے اسی اونٹ اور اسی پیوند لگے کرتے میں اُن سے ملاقات کی۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے تو آپ کی ایک صاحبزادی نے بیت المال سے ایک سونے کا ہار ایک دن کے لئے اُدھار منگوایا۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے فوراً واپس بھجوایا اور بیت المال کے ناظم (رافعؓ) کو سرزنش کی کہ تم امانت میں خیانت کر رہے ہو۔

اسی طرح پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز بھی تقویٰ میں ممتاز اور بیت المال کے استعمال میں بڑے محتاط تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کارنامہ صرف عہدِ نبوی یا پہلی صدی ہجری کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کی زندگیوں نے جو نمونے چھوڑے تھے وہ آج تک مسلمانوں کی تمام نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہو رہے ہیں اور

تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ یہ اسی کا فیضان ہے کہ وسیع تر عالم اسلام میں ہر شعبۂ زندگی اور ہر صنف کمال میں عظیم الشان انسان پیدا ہوتے رہے۔ کسی بڑے سے بڑے مصنف اور مؤرخ کی یہ مجال نہیں کہ وہ ان لاکھوں کروڑوں اہل یقین تربیت یافتہ اور اہل معرفت فضلاء کے ناموں ہی کی فہرست پیش کر سکے جنہوں نے اس تعلیم کے زیر اثر مختلف مقامات میں اور مختلف زمانوں میں اپنے اپنے مکارمِ اخلاق، روحانی کمالات اور یقین و معرفت کی دولت سے اہل دنیا کو فیض پہنچایا اور درندہ صفت حیوانوں کو انسان بنایا۔

حتیٰ کہ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ نے بادشاہوں کے گروہ میں بھی (جو عام طور پر ہوس ملک گیری اور کشور ستانی کے سوا کچھ نہیں جانتے) ایسے درویش صفت خدا ترس اور رحمدل بادشاہ پیدا کئے جن کے زہد و ایثار کے سامنے بڑے بڑے درویشوں اور گوشہ نشین فقیروں کا فقر اور درویشی بھی ہیچ ہے۔ نورُالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، ناصرُالدین محمود، اور اورنگ زیب عالمگیر ایسے ہی بادشاہ تھے جو عظیم الشان سلطنتوں کے سربراہ ہونے کے باوجود ہاتھ سے کما کر کھاتے اور جن کو زکوٰۃ لینے کی کبھی نوبت بھی پیش نہ آئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، جس کے فقر کا یہ عالم تھا کہ اس کی تجہیز و تکفین کے لئے بھی قرض لینا پڑا، انسانی سربلندی، شرافتِ نفس، عالی حوصلگی کے اعتبار سے دنیا کے عظیم ترین انسانوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ اس نے بیتُ المقدس کی فتح کے موقعہ پر اپنے مسیحی دشمنوں سے جو حسن سلوک کیا۔ اس کی مثال آنحضور ﷺ کے فتح مکہ کے دن قریش کے لئے عام معافی نامہ کے سوا کہیں نہیں مل سکتی۔

آنحضرت ﷺ نے تعمیر انسانیت کا کام اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنی اعلیٰ سطح پر انجام دیا کہ اس کی تاثیر ہمیں، زماں اور مکاں کے فرق سے قطع نظر، کبھی طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم، اور محمد الفاتح رحمہم اللہ کی شجاعت میں نظر آتی ہے تو کبھی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی فقاہت اور استقامت میں...... یہ اگر کبھی نور الدین زنگی کے لطف و کرم میں جھلکتی ہے تو کبھی محمود غزنوی کے جذبۂ سرفروشی اور بت شکنی میں۔ کبھی امام غزالی، ابن رشد اور ابن سینا کے کمالِ علم و فلسفہ طرازی میں نظر آتی ہے تو کبھی امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ اور دیگر محدثینؒ کی خدمتِ حدیث و سنت کی شکل میں۔ یہ تاثیر کبھی مجدد الفِ ثانی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور محمد بن عبد الوہابؒ کی تحریک اصلاحِ دین کی شکل میں جلوہ گر ہوتی ہے تو کبھی حسن البناؒ وسید قطب شہیدؒ اور مولانا مودودیؒ کی دعوتِ اسلام میں غرض کہ ابن تیمیہؒ کا تجرِ علمی، شیر شاہ سوری کی حسن تدبیر، اورنگ زیب عالمگیر کا آہنی عزم، مامون الرشید کی علم پروری، شاہجہان کا قیامِ عدل، یہ سب آنحضور ﷺ ہی سے کسبِ فیض کا نتیجہ ہیں۔

آپ ﷺ کی تعلیم ہر دور میں بے مثال عہد ساز شخصیتیں پیدا کرتی رہی اور ان کے تابندہ و درخشندہ کاموں سے دامن انسانیت کو مالامال کرتی رہی ہے ......

بلغ العلی بکمالہ، کشف الدجی بجمالہ　　حسنت جمیع خصالہ، صلوا علیہ وآلہ

جدید تہذیب کا یہ المیہ ہے کہ وہ انسانی معاشرہ کی تعمیر اور انسان کی سیرت و کردار کی تشکیل میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ اس تہذیب نے صرف مادیت، قوم پرستی اور مفاد پرستی کو وسیع پیمانے پر فروغ دیا ہے، گو مادی لحاظ سے سائنس کی دنیا میں اس نے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ہیں، مگر باکردار انسان، صالح معاشرہ، پرامن ماحول اور پاکباز سوسائٹی قائم کرنے سے بالکل عاجز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج طاقتور قومیں، کمزور قوموں کا مختلف طریقوں سے استحصال کر رہی ہیں اور مجموعی طور پر دنیا بدامنی اور انتشار و مایوسی کا شکار ہے۔

اس وقت بھی آپ ہی کے سرچشمۂ فیض کے تربیت یافتہ افراد آگے بڑھ کر دنیا کو ہلاکت اور تباہی سے بچا سکتے ہیں اور دنیا کو امن کا آبِ حیات پلا سکتے ہیں کیونکہ مسلمان ہی اپنی زندگی کے مقصد سے آشنا اور اپنے خالق کو پہچاننے والے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کو سائنس اور سائنسی ایجادات تو نہیں دی ہیں۔ مگر آپ ﷺ نے اس کے بدلے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روشن مثالیں دی ہیں۔ طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم دیئے ہیں۔ غزالی و رازی دیئے ہیں، امام بخاری و امام مسلم دیئے ہیں۔ ابن تیمیہ و شاہ عبد القادر جیلانی دیئے ہیں (رحمہم اللہ تعالیٰ)...... جن کا وجود پوری انسانیت کا اصل سرمایہ اور تمام بنی نوع انسان کا اصل جوہر ہے۔ اسی لئے دورِ جدید کے بگڑے ہوئے انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے ہمیں آج بھی اسی سرچشمۂ فیض کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔

ع بمصطفی (ﷺ) برساں خویش راکہ دین ہمہ اوست   اگر باو نہ رسیدی کمال بولہبی ست

[illegible]

ہم بڑے حزن و ملال سے اپنے قارئین کو اطلاع دیتے ہیں کہ نامور عالم دین، مفسر قرآن، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبدہ الفلاح مختصر علالت کے بعد مورخہ ۳۰ر جون ۱۹۹۹ء کو فیصل آباد میں تقریباً ۹۰ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ان کی نمازِ جنازہ ۲ بجے جامعہ سلفیہ، فیصل آباد میں ادا کی گئی۔ جس میں ادارۂ محدث سے حافظ عبد الرحمٰن مدنی، حافظ صلاح الدین یوسف اور اساتذہ جامعہ لاہور الاسلامیہ نے لاہور سے جا کر شرکت کی جبکہ ہر مکتبہ فکر کے علماء اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں شریک ہوئے۔ جنازہ کے بعد انکا جسدِ خاکی تدفین کیلئے آبائی گاؤں لیجایا گیا۔ ہزاروں شاگرد آپکی وفات پر افسردہ ہوگئے۔

آپ جامعہ رحمانیہ، دہلی سے فارغ التحصیل ہوئے اور قیامِ پاکستان سے قبل ہی اپنی مادرِ علمی میں تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد نصف صدی سے زائد عرصہ معروف دینی درسگاہوں میں شیخ الحدیث، شیخ التفسیر اور مفتی کے مناصب پر فائز رہے۔ ان کی تصانیف میں تفسیر اشرف الحواشی نے علمی اور عوامی حلقوں میں بڑا مقام حاصل کیا۔ محدث میں آپ کے قیمتی مقالات بڑے تواتر سے شائع ہوتے رہے جس میں صحاحِ ستہ پر تفصیلی علمی مقالہ جات کے علاوہ تحریکِ اہلحدیث کے نامور علماء کے تذکرے شامل ہیں۔ آپکا شمار جماعت کے ان چند بزرگ ترین علماء میں ہوتا تھا جن کی علمی سرپرستی سے جماعت اہلحدیث نے بڑے بڑے مشکل مقامات بخوبی سر کئے۔ مجلس التحقیق الاسلامی میں بھی کافی سال آپ تحقیقی خدمات انجام دیتے رہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکی غلطیوں سے درگزر فرمائے اور آپ کو جنتُ الفردوس میں مقام عطا فرمائے۔ آمین!

سیرتِ طیبہ ﷺ

حافظ صلاح الدین یوسف

اَخلاقی بحران سے نجات

اسوۂ حسنہ ﷺ کی روشنی میں

نبی کریم ﷺ کے مقاصدِ بعثت میں ایک اہم مقصد تزکیۂ نفوس بھی بتلایا گیا ہے۔ آپ کے یہ مقاصدِ بعثت جن میں تزکیہ بھی شامل ہے، قرآن کریم میں ۴ مقامات پر بیان کیے گئے ہیں:

سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹ اور آیت ۱۵۱، آلِ عمران، آیت ۱۶۴ اور سورۂ جمعہ، آیت ۲......

﴿يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾

''وہ پیغمبر اُن پر اللہ کی کتاب کی آیات کی تلاوت کرتا، ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے'' (الجمعہ، آل عمران)

تزکیۂ نفوس، اصلاحِ عقائد

تزکیہ کا مطلب ہے، پاک صاف کرنا، نکھارنا اور میل کچیل دور کرنا، اس تزکیے میں عقائد کی صفائی اور اخلاق و کردار کی صفائی دونوں شامل ہیں۔ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے لوگوں کے عقیدے بھی درست کیے، انہیں لات و عزیٰ اور منات و ہبل کی عبادت سے ہٹا کر ایک اللہ کی عبادت پر لگایا، شرک کی گندگیوں سے اُنہیں پاک کرکے توحید کے نور سے اُن کے سینوں کو منور فرمایا۔ اُن کے عقیدوں میں یہ فساد تھا کہ وہ اللہ کو تو مانتے تھے اور مانتے ہی نہ تھے، تسلیم کرتے تھے کہ آسمان و زمین اور ساری کائنات کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی ہے، رازق بھی وہی ہے بلکہ کائنات کا سارا نظم و تدبیر اسی کے اَمر و مشیت کا مرہون ہے اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ لیکن وہ بتوں کو رضائے الٰہی کا مظہر گردانتے ہوئے یہ سمجھتے تھے کہ اُن کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہوگا، اللہ کی بارگاہ میں یہ ہمارے سفارشی ہیں: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلاَّ لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (سورۂ زمر: ۳) ''ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں'' ﴿هٰؤُلاَءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (سورۂ یونس، ۱۸) ''یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں''...... اس لیے ہم اللہ کے ساتھ ان کی بھی عبادت کرتے ہیں، ان کے نام کی بھی نذر نیاز دیتے ہیں اور ان کی بھی تعظیم کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے ان کے عقیدے کے اس فساد کو دور کیا اور واضح فرمایا کہ یہ رضائے الٰہی کے مظہر قطعاً نہیں ہیں، یہ تو سننے، دیکھنے اور نفع نقصان پہنچانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ اُنہیں تم پکارتے ہو، اُن کے نام کی نذر و نیاز دیتے

ہو، جب کہ وہ تمہاری اُن عبادتوں سے بالکل بے خبر ہیں اور قیامت والے دن کہیں گے کہ ہمیں تو بالکل علم ہی نہیں تھا کہ یہ ہماری عبادت کرتے تھے: (سورۂ یونس، ۲۹)

﴿فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ﴾ "ہمارے اور تمہارے درمیان اس بات پر اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے کہ ہم تمہاری عبادتوں سے بے خبر تھے۔"

ایسے بے خبر، غافل اور ہر قسم کے اختیارات سے بے بہرہ کب تک اس لائق ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے، ان سے استمداد واستغاثہ کیا جائے اور ان سے خوف وطمع رکھا جائے، یا انہیں ذریعہ قربِ الٰہی اور شفیع عاصیاں سمجھا جائے۔ چنانچہ آپ کی اس تبلیغ سے لوگ شرک کی نجاستوں سے نکل کر توحید کی صاف شفاف صراطِ مستقیم پر آئے اور صرف ایک اللہ کے بندے اور اس کے پرستار بن گئے۔ ان کی تمام عبادتیں بھی صرف ایک اللہ کے لیے ہو گئیں۔ اُن کی نمازیں، دعائیں، نذر ونیاز اور صدقہ وخیرات سب ایک اور صرف ایک اللہ کے لیے وقف ہو گئے... کیونکہ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں، جو اللہ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہیں۔ ان کا حاجت روا اور مشکل کشا بھی صرف ایک اللہ ہی رہ گیا، کیونکہ وہی حاجت روائی اور مشکل کشائی پر قادر ہے۔ اس کے سوا کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی کی مشکل کشائی وحاجت روائی کر سکے۔

تزکیۂ اَخلاق وکردار

اسی طرح نبی آخر الزمان ﷺ نے لوگوں کے اخلاق وکردار کا بھی تزکیہ فرمایا۔ وہ قوم جس طرح شرک کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی جس سے آپ نے ان کو نکالا۔ وہ اَخلاقی پستیوں کا بھی شکار تھی، آپ نے اُنہیں ان پستیوں سے اٹھا کر اخلاقی رِفعتوں سے ہمکنار فرمادیا۔ وہ لٹیرے اور رہزن تھے، آپ کی بدولت وہ انسانیت کے ہادی اور رہبر بن گئے۔ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ وہ قاتل وسفاک تھے، وہ ایک دوسرے کے حق میں شفیق ورحیم بن گئے، وہ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، لیکن آپ کی تعلیمات نے انہیں ان کا محافظ اور رکھوالا بنادیا، وہ خائن وبددیانت تھے، اَمین ودیانت دار بن گئے۔ پہلے اَکل حرام میں اُنہیں کوئی باک نہیں تھا، لیکن ایمان لانے کے بعد صرف اور صرف کسبِ حلال ان کا وطیرہ اور شعار بن گیا، سود خوری، رشوت خوری اور حرام خوری کا کوئی تصور اُن کے اندر باقی نہ رہا۔

ان کے نفوس کا یہ تزکیہ کس طرح ہوا؟ رذائل کی جگہ فضائل نے، معائب کی جگہ محامد نے اور مثالب (بری عادتوں) کی جگہ مناقب نے کس طرح لے لی؟ دلوں کے زنگ کو یہ صیقل اور جلا کیوں کر حاصل ہوئی؟ اور مردہ دِلوں میں زندگی کی لہر کس طرح دوڑ گئی؟...... یہ اس دین کا کمال تھا جو آپ ﷺ لائے تھے، اُس تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا جو آپ کے ذریعے سے انہیں حاصل ہوئی اور اس اسوۂ حسنہ

کا پر تو تھا جس کے سانچے میں انہوں نے اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا۔

وہ اَخلاق کیا ہے؟ جس کے سمجھنے اور اختیار کرنے سے یہ انقلاب آیا۔ اَخلاق کا مطلب ہے بندوں کے باہمی حقوق و فرائض کی ادائیگی اور باہمی معاملات میں صحیح رویہ۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو دنیا کی ہر شے سے اُس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی، دیگر رشتے دار، دوست اَحباب، پڑوسی، تجارت وکاروبار کے ساتھی، سفر کے ساتھی، قبیلے، خاندان اور برادری کے لوگ، وطن اور محلے کے لوگ، اُن سب سے اپنے اپنے انداز کے تعلقات ہوتے ہیں حتیٰ کہ جانوروں تک کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ ان تمام تعلقات میں حسن معاملہ کے پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے کا نام اَخلاق ہے۔

اور انسان جب باہم معاملات میں صحیح رویہ اختیار کرتا اور اپنے ذمے عائد فرائض اور دوسروں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے تو معاشرہ اَمن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے اور حکومتوں کو مداخلت کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ جب انسانوں کے اَخلاق سنور جاتے ہیں، اُن کے قلب وذہن کی اِصلاح ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کا صحیح احساس اُن کے اندر پیدا ہو جاتا ہے تو کوئی شخص ایسا رویہ ہی اختیار نہیں کرتا جس سے دوسرے کی حق تلفی ہو، دھوکہ فریب اور جعل سازی کا امکان ہو یا وہاں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہو، قتال وجدال اور باہم فساد ہو۔ اور جب یہ خرابیاں نہیں ہوں گی تو پولیس کی ضرورت ہوگی نہ سی آئی ڈی کی۔ انٹیلی جنس درکار ہوگی، نہ کوئی اور فورس۔ اس کے بغیر ہی معاشرہ جرائم سے پاک ہوگا اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت کسی سے کسی غلطی کا صدور ہو بھی جائے تو وہ از خود عدالت میں حاضر ہو کر اعترافِ جرم کرتا اور سزا کے ذریعے سے پاک ہونے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

ایک دور میں چشم فلک نے ایسا مثالی انسانی معاشرہ دیکھا ہے اور یہ وہی معاشرہ ہے جو عہد رسالت مآب ﷺ میں آپ کی تبلیغ ودعوت اور اِصلاح وانقلاب کے بعد قائم ہوا، جس میں محاسبہ ومؤاخذہ کرنے والا کوئی ادارہ نہیں تھا، لیکن مجرم مرد ہوتا یا عورت، اَز خود عدالت میں آکر اقبالِ جرم کر لیتا اور طَهِّرْنِيْ يَا رسولَ اللّٰه !(اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیجئے) کہہ کر اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر دیتا۔

جب اَخلاق وکردار کی یہ رفعتیں اور حسن معاملہ کی یہ جلوہ افروزیاں ختم ہو گئیں تو انسانی معاشرے خوفناک درندوں اور خونخوار بھیڑیوں کے ریوڑوں میں تبدیل ہو گئے۔ اور محاسبہ ومؤاخذہ کے دسیوں اداروں کے باوجود انسان کو انسانیت کے دائرے میں رکھنا مشکل تر ہو گیا، جب انسان کا قلب وذہن اِصلاح پذیر نہ ہو تو حکومت کا جبر اور ڈنڈا بھی انسانوں کو اصلاحِ احوال پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

ہمارے معاشرے میں اخلاقی بحران کے مظاہر

آج ہمارا معاشرہ سخت اخلاقی بحران کا شکار ہے، اَخلاقی قدریں دَم توڑ گئی ہیں۔ انسان، انسان کا ویری اور اُس کے خون کا پیاسا ہے، سلب ونہب اور قتل وغارت گری کی گرم بازاری نے لوگوں سے ان کا سکون چھین لیا ہے، امانت ودیانت کے فقدان نے زندگیوں میں زہر گھول دیا ہے، رشوت کی شدت و وسعت نے عوام کی عزتِ نفس کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ چور بازاری، لوٹ کھسوٹ، جعل سازی اور ملاوٹ نے لوگوں کے لیے جینا حرام کر دیا ہے، صبر برداشت اور ضبطِ نفس کے بندھن ٹوٹ گئے ہیں، ہر شخص کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا ہے اور آستین میں دشنہ و خنجر پنہاں۔ اولاد ماں باپ کی نافرمان اور ماں باپ اولاد سے نالاں، بھائی بہن ایک دوسرے سے کٹے ہوئے اور پھٹے ہوئے اور رشتہ دار ایک دوسرے کے لیے شمشیر برہنہ اور مارِ آستین۔ الغرض تاریکیاں ہی تاریکیاں ہیں کہ کچھ سجھائی نہیں دیتا، ناامیدی سی ناامیدی ہے کہ دور دور تک اُمید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی اور اِدبار وزوال کی کوئی اتھاہ گہرائیاں ہیں کہ جن سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔

اِسی اَخلاقی بحران نے صوبائی، علاقائی اور لسانی تعصبات پیدا کیے اور ابنائے وطن کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کیں اور انہوں نے ایک دوسرے کے گلے کاٹے اور مسلسل کاٹ رہے ہیں۔ خون ریزی کا یہ سلسلہ ہے کہ تھمنے میں نہیں آرہا، تعصبات کے جھگڑ ہیں کہ بند نہیں ہو رہے اور بدگمانیوں کا طوفان ہے کہ رُک نہیں رہا۔ اسی اخلاقی بحران نے اہل صحافت کی ایک بڑی تعداد کو "اُس بازار" کا دلال اور نائکہ بنا دیا ہے۔ یہ روزانہ فاحشہ عورتوں کے نیم عریاں پوز چھاپ کر ان کے حسن وجمال کی نمائش کر کے اور ان قوی مجرماؤں کو ہیرو کے روپ میں پیش کر کے خوب دوزخ کی آگ کما رہے ہیں اور دوسری مسلمان خواتین کو بھی بے حیائی وبے راہ روی کی ترغیب دے کر اشاعتِ فاحشہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ نام ان کی زبانوں پر بھی اسلام کا ہے لیکن یہ مسلمان عورت کی ردائے تقدس وعصمت کو تار تار کر کے اسلام کی جڑوں پر تیشہ چلا رہے ہیں۔

اِسی اخلاقی بحران نے دینی جماعتوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ قیادت وسیادت کے پندار یا چسکے نے ہر دینی جماعت کو دھڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ حب جاہ کی اِن فتنہ سامانیوں کے ساتھ حب مال کی حشر سامانیاں الگ۔ منبر ومحراب کے یہ وارث آج ہوائی جہازوں میں اُڑتے پھرتے ہیں اور پیجاروں میں سرگرمِ سفر رہتے ہیں، سادگی کا وعظ کرنے والے یہ خطیبانِ خوش بیان، کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہتے ہیں اور حریر کمخواب سے کم لباس زیب تن نہیں فرماتے۔ مساجد ومدارس کی یہ مخلوق آج کل اسمبلیوں کے ایوانوں اور حکومتوں کے نگار خانوں کی زینت ہے۔ سمجھتے یہ ہیں کہ ہمارے وجود گرامی سے حکومت کے بالاخانے بھی اسلام کی روشنی سے جگمگا رہے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی

سیاست نے، حکومت کے ایوانوں میں علماء کا جو تھوڑا بہت بھرم قائم تھا، وہ بھی کھودیا اور اسلام کا جتنا کچھ احترام باقی تھا اُسے بھی ختم کر دیا ہے۔ اِن کے اخلاقیات اور اسلام کا یہ حال ہے کہ بینظیر کے ساتھ تو ان کا اتحاد ہو سکتا ہے، نواز شریف کے ہاتھ میں ہاتھ تو یہ دے سکتے ہیں لیکن ایک ہی مسلک کے علماء، ایک ہی نظریے کے حامل مختلف گروہ اور ایک ہی منزل کے یہ راہی باہم متحد نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ اشتراکِ عمل نہیں کر سکتے۔ اور اپنے دلوں کو ایک دوسرے کے خلاف بغض وعناد سے پاک نہیں کر سکتے۔ جب ایک ہی مسلک کے مختلف گروہ قدم بہ قدم ملا کر دین کے لیے جهد وکاوش نہیں کر سکتے تو تمام دینی جماعتوں کا اتحاد کیوں کر ممکن ہے؟ جو پیپلزپارٹی اور مسلم لیگ دونوں سے ملک کو نجات دلا کر ایک تیسری متبادل قوت ملک کو فراہم کر سکے، جیسا کہ بہت سے دینی درد رکھنے والوں کی سوچ ہے۔ اس سوچ کی خوبی اور عمدگی میں یقیناً کوئی شبہ نہیں۔ لیکن جن دینی جماعتوں کے اختلاف وافتراق کا یہ حال ہو جو ابھی بیان ہوا، وہ اِتحاد کی ایک لڑی میں کیوں کر منسلک ہو سکتی ہیں؟ اور ایک لڑی میں منسلک ہوئے بغیر وہ کس طرح ملک کو ایک تیسری متبادل قوت فراہم کر سکتی ہیں؟

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

اسی اخلاقی بحران نے "ہارس ٹریڈنگ" جیسے مذموم کاروبار کو فروغ دیا ہے جس میں ممبرانِ اسمبلی کی گھوڑوں اور خچروں کی طرح خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اسی بحران نے ضمیر فروشی کو اس انتہا تک پہنچا دیا ہے کہ "لوٹا" کی اصطلاح بھی خوب چل پڑی ہے، کیونکہ یہ ممبران بے پیندے کے لوٹے کی طرح، کبھی ادھر تو کبھی ادھر کا عجیب منظر پیش کرتے رہتے ہیں۔ جس سے حکومت ہر وقت خوف زدہ رہتی ہے ان لوٹوں کے لڑھکنے کے ڈر سے حکومت اِن کی خاطر مدارات میں لگی رہتی ہے۔ اس کے سد باب کے لئے موجودہ حکومت نے ایک آئینی ترمیم پاس کرائی ہے لیکن اس کے ذریعے ارکانِ اسمبلی کے قلب وضمیر پر ہی تالے لگا دیئے گئے ہیں۔ گویا اخلاقی بحران نے ہمیں کسی ایک اصول اور کسی ایک بات پر قائم نہیں رہنے دیا ہے۔ لینے کا اصول کچھ اور ہے اور دینے کا اصول کچھ اور ع

کیا غضب ہیں یہ لوگ، دِل پہ یہ اختیار
شب کو موم کر لیا، سحر کو آہن بنا لیا

یہ سیاسی بحران بتدریج بڑھ ہی رہا ہے، کم نہیں ہو رہا، اس کی شدت اور سنگینی میں اضافہ ہی ہو رہا ہے، کمی نہیں۔ اور اسی حساب سے اعصابی تناؤ، کساد بازاری، لوٹ کھسوٹ، رشوت خوری اور دیگر ملکی، معاشرتی اور صوبائی مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یعنی مسائل کم ہونے کی بجائے زیادہ ہو رہے ہیں، فساد بڑھ رہا ہے، بے حیائی زوروں پر ہے اور بین الاقوامی دباؤ میں اضافہ ہو رہا ہے جس سے ملک کی سلامتی واستحکام کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ یعنی

ضرورت جتنی جتنی بڑھتی جاتی ہے صبح روشن کی
اندھیرا اور گہرا، اور گہرا ہوتا جاتا ہے

اسی اخلاقی بحران نے تعلیم وتربیت کا بحران پیدا کیا ہے۔ ہمارے تعلیمی ادارے بانجھ ہوگئے ہیں، وہاں سے بچوں کو امن وشرافت کی بجائے کلاشنکوف کلچر مل رہا ہے یا ناچ گانے، فیشن پرستی اور بے حیائی کا درس۔ تعلیم وتدریس، مقدس پیشے کی بجائے، تجارت بن گئی ہے۔ فیسیں بڑی بڑی، بھاری کتابوں کا بوجھ ناقابل برداشت، لیکن تعلیمی نتیجہ صفر...... کیوں؟ محض اس لیے کہ اساتذہ صرف گریڈوں کے چکر میں رہتے ہیں یا ٹیوشنوں میں مصروف۔ تعلیم وتدریس کسی کے پیش نظر ہی نہیں ہے۔ نجی تعلیمی ادارے انگلش میڈیم کے نام سے خوب دولت کمار ہے ہیں لیکن انہوں نے بچوں کو پڑھانے کے لیے نان کوالیفائڈ لڑکیاں رکھی ہوئی ہیں جن کے پاس نہ علم ہے، نہ تجربہ اور دلچسپی ویسے ہی مفقود ہے کہ اس مہنگائی کے دور میں انہیں ہزار، بارہ سو روپے سے زیادہ تنخواہ نہیں دی جاتی۔ ایسے میں انہیں پڑھانے سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے

اسی اخلاقی بحران نے شادیوں کو عذاب بنادیا ہے جو نہایت سادگی سے تکمیل پاجانے والا ایک اسلامی فریضہ تھا۔ اہل ثروت کو شوقِ امارت یا اس کے اظہار کے جذبے نے اور ان کی عورتوں کے حسن وجمال، زیور اور لباس کی نمائش کی خواہش نے شادی کو عذاب بھی بنادیا ہے اور اسے ایک "فیشن شو" کا رنگ بھی دے دیا ہے۔ اب اہل ثروت کی دولت، ملکی مسائل کے حل کے لیے نہیں ہے، مجاہدین کی امداد واعانت کے لیے نہیں ہے، معاشرے کے نادار اور معذور وضرورت مند افراد کے لیے نہیں ہے، قوم کے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے اور تعلیمی ضروریات مہیا کرنے کے لیے نہیں ہے، غرباء کو علاج کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے نہیں ہے۔ ان کی دولت صرف فلک نما بنگلوں اور کوٹھیوں کی تعمیر کے لیے ہے یا شادی بیاہ کی فضولیات کے لیے۔ جہاں سینکڑوں کی جگہ ہزاروں اور ہزاروں کی جگہ لاکھوں اور اب شاید لاکھوں کی جگہ کروڑوں روپے خرچ کرنے میں انہیں دریغ اور تامل نہیں۔ کیونکہ ان دونوں چیزوں میں ایسی دوڑ لگی ہوئی ہے کہ وسائل فراواں سے بہرہ ور اشخاص ایک دوسرے سے پیچھے رہنا نہیں چاہتے۔ ان کی کوٹھی اور بنگلہ ہو تو ایسا کہ جو دیکھے، بس دیکھتا رہ جائے۔ اور شادی ہو، بلکہ اب منگنی بھی ہو تو ایسی کہ مدتوں لوگوں کی زبانوں پر اس کے چرچے رہیں۔ جہیز کا عذاب، بَری کا فتنہ، مہندی کی رسم میں نوجوان لڑکیوں کے ناچنے گانے اور اُچھل کود کا فتنہ، طرفین کے رشتے داروں کے جوڑوں کی تیاری، تحفے تحائف کی بھرمار، بجلی کی قمقموں کا سیلاب، آتش بازی کا طوفان، سلامی کی رسم، لشکروں کے لشکر براتی، گویا کسی ملک کو فتح کرنے چلے ہیں، پھر انواع واقسام کے کھانوں کا سلسلہ، علاوہ ازیں چار چار گھنٹوں کے انتظار کے بعد بیک وقت کھانوں پر گدھوں اور چیلوں کی طرح ہجوم اور وہ بے ہنگم طوفان، جیسے کوئی ہفتوں سے بھوکا اور نیم جاں ہو۔ الغرض شادیاں کیا ہیں؟ بے حیائی، بے ہودگیوں اور دولت وحسن کی نمائش کا نام۔ کیا یہ

دولت اللہ نے اس لیے دی ہے کہ ان مصارفِ شر پر ان کو خرچ کیا جائے؟ اور اس طرح معاشرے میں احساسِ محرومی کو عام کیا جائے۔ غرض اخلاقی بحران سے پیدا ہونیوالے ناسوروں کا کہاں تک ذکر کیا جائے۔

ع تن ہمہ داغ دار شد پنبہ کجا کجا نہم

قومی اخلاقی بحران سے نجات کیونکر؟

قوم کو اس اخلاقی بحران سے نکالنے والے اہل سیاست واہل اقتدار تھے جن کے پاس اختیارات ووسائل کی فراوانی ہے، لیکن ان کو اقتدار کی رسہ کشی سے ہی فرصت نہیں ہے، جس کے پاس اقتدار ہے، وہ شب وروز صرف اس کے تحفظ کی فکر میں ہے۔ اور جو اس سے محروم ہے، وہ اس کے حصول کے لیے مضطرب اور پریشان...... علماء یہ کام کر سکتے تھے، لیکن ان کی ایک تعداد سیاست کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئی ہے، کچھ اقتدار کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں، کچھ حزبِ اختلاف میں شامل قوم کو جمہوری تماشہ دکھانے میں سرگرم عمل ہیں اور کچھ حجروں اور محرابوں میں بیٹھے فقہی اختلافات پر دادِ تحقیق دینے میں مصروف اور اسی کو حاصل زندگی سمجھے ہوئے ہیں اور کچھ اصلاح ودعوت کا کام کر رہے ہیں تو ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی مہین سی صدا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

معلّمین اور اساتذہ کی یہ ذمہ داری تھی لیکن ان کی دلچسپیوں کا محور اور انکی سرگرمیوں کا مرکز بھی اب وہ ہے جس کی وضاحت گذشتہ سطور میں کی گئی ہے۔ سیاست کے لال بجھکڑوں اور جمہوریت کے بچہ جمہوروں سے صرفِ نظر کر کے مردانِ غیب سے کچھ اُمیدیں وابستہ کرتے ہیں تو وہاں بھی روشنی کی کرن نظر نہیں آتی۔ ایک مردِ غیب نے گیارہ سال حکومت کی (اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے) لیکن بیشمار خوبیوں کے باوجود وہ وعظ ونصیحت سے زیادہ کچھ نہیں کر سکا، حالانکہ اس چکنے گھڑے پر صرف وعظ ونصیحت کا پانی کس طرح ٹھہر سکتا ہے، اس شور زمین پر تقریر وخطابت کی بارش سے روئیدگی کیوں کر ممکن ہے؟ اور اسکے دلوں کی ویرانی محض کھوکھلے اور اوپرے اقدامات سے کس طرح دور ہو سکتی ہے؟

اس کے لیے تو ایک بھرپور عزمِ اصلاح کی ضرورت ہے، ایک ہمہ جہتی انقلاب اور مسلسل انتہائی سخت اقدامات کی ضرورت ہے، جیسے ایک ناسور زدہ شخص کا علاج چیر پھاڑ کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح اس قوم کو بھی ایک سخت آپریشن کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ آپریشن کون کرے؟ حکیم وطبیب خود روگوں کا شکار اور آپریشن کے محتاج ہیں، وہ دوسروں کا آپریشن کس طرح کر سکتے ہیں لہٰذا ع مژدہ باد اے مرگ، عیسیٰ آپ بیمار ہے...... قرآن نے اس صورتِ حال کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

﴿ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ﴾ (المومنون:۴۰) "اندھیروں پر اندھیرے، ہاتھ باہر نکالو تو کچھ سجھائی نہیں دیتا، اور جس کے لئے اللہ روشنی مہیا نہ کرے تو اس کے لئے کوئی روشنی نہیں"

قرآن نے اس صورتِ حال کا علاج بھی بتلایا ہے اور وہ ہے اللہ کا نور یعنی اسلام کا نفاذ اور اسلامی تعلیمات پر عمل...... صدقِ دل سے، نیم دلی سے نہیں! ع علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

محمد عطاءاللہ صدیقی

قانونِ توہین رسالتؐ میں تبدیلی...... مُحرّکات ومُضمرات

"محدث" مقامِ رسالتؐ اور منصبِ رسالت ﷺ کی عظمت واہمیت کا نقیب ہے۔ جس طرح مقامِ رسالت پر دورِ حاضر میں مختلف اَطراف سے ہونے والے حملوں کے جواب میں محدث نے ہمیشہ ہراوّل دستہ کا کردار ادا کیا ہے اور فتنہ انکارِ حدیث کی تردید میں علمی و عقلی دلائل سے مزین بے شمار مضامین شائع کئے ہیں، اسی طرح آفتابِ رسالت ﷺ کو گہنانے کی ناپاک جسارت کرنے والوں اور ناموسِ رسالت پر حملے کرنے والوں کا بھی "محدث" نے ہر موقعہ پر خوب خوب علمی تعاقب کیا اور ان کے تمام اعتراضات کی وضاحت علمی، منطقی اور واقعاتی و عملی شواہد کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ "محدث" کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سنجیدہ علمی انداز میں نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس اور مقام ومنصب کو اُجاگر کرنے کے لئے اس کے صفحات میں اِس قدر زیادہ مواد شائع کیا جاچکا ہے کہ ان کو جمع کرلینے پر متعدد کتب تیار کی جاسکتی ہیں۔

چند ماہ قبل جب ادارہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ماہ ربیع الاوّل میں جب کہ دوسرے مجلّات شانِ رسالت کے حوالے سے مضامین شائع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، "محدث" میں بھی اس مناسبت سے خصوصی مضامین شائع کئے جائیں۔ الحمدللہ ہمیں اپنے ارادے میں کامیابی حاصل ہوئی اور رواں شمارہ میں جہاں سیرتِ طیبہ کے عملی پہلوؤں کے حوالے سے بعض قیمتی نگارشات ہم شائع کررہے ہیں، وہاں اِدارہ کے فاضل رفیق جناب محمد عطاءاللہ صدیقی صاحب کا تحقیقی اور فکر انگیز معلومات سے بھرپور قیمتی مقالہ بھی انہی صفحات پر چھپ رہا ہے۔ جناب صدیقی صاحب نے جس جہدِ مسلسل، جانفشانی اور عرق ریزی سے اس اہم ترین مسئلہ پر دادِ تحقیق دی اور بعض بالکل نئے پہلوؤں پر تحقیقی اُسلوب میں روشنی ڈالی ہے وہ ایک طرف ناموسِ رسالت ﷺ پر حملہ آور ہونے والوں کی کارکردگی اور سرگرمیوں کی کم وبیش ۱۰سالوں پر محیط مرحلہ وار تاریخی رپورٹ ہے تو دوسری طرف آپ کی ذاتِ نبوی سے والہانہ عقیدت و محبت کی بھی آئینہ دار ہے۔ جن حضرات کو رپورٹوں اور اخبارات پر مبنی اس نوعیت کی تحقیق کرنے کا موقع ملا ہو وہ اس اَعصاب شل کردینے والے کام کی محنت ومشقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ یہ "محدث" کیلئے آپکے خلوص اور ادارہ سے آپکے خصوصی تعلق کا نتیجہ ہے کہ آپ نے بروقت اپنے طویل مقالہ کو پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

توہین رسالت ﷺ کے موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت کیونکر محسوس ہوئی اور حالیہ دنوں حکومتی ایوانوں میں اس حوالے سے کیا سازش پنپ رہی ہے، پاکستان میں سرگرم مغربی، عیسائی بالخصوص قادیانی لابی کے اس قانون پر کیا تحفظات ہیں اور وہ کس طرح منظم انداز میں غیر ملکی ایجنڈے پر اپنے من مانے مقاصد کے لئے اس کو اجاگر کررہے ہیں، ایمنسٹی انٹرنیشنل کا اس مسئلے میں کیا جانبدارانہ کردار ہے...... زیر نظر مضمون میں بڑی تفصیل سے ان موضوعات کا اِحاطہ کیا گیا ہے۔

سیرتِ نبوی کے موضوع پر اہم مضامین کو یکجا کرنے کے لئے اس شمارہ کے صفحات میں خصوصی اضافہ کیا گیا ہے، اس لحاظ سے اسے خصوصی شمارہ کی حیثیت حاصل ہے۔ جو حضرات اس موضوع پر مزید مطالعہ کے خواہشمند ہوں وہ انہی دنوں ادارۂ محدث کے زیر اہتمام چھپنے والی مستقل کتاب "قانونِ توہین رسالت...... اعتراضات، محرکات، مضمرات اور عالمی سازش" کا مطالعہ فرمائیں جس میں محدث میں اس حوالے سے چھپنے والے مضامین کے علاوہ اس موضوع کے دیگر تشنہ گوشوں پر بطورِ خاص روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب میں اسلامک ہیومن رائٹس فورم کی طرف سے تیار کردہ رپورٹوں، تجزیوں اور اخبارات کے ایک وسیع ریکارڈ سے بطورِ خاص استفادہ کیا گیا ہے۔ کتاب کے مزید تعارف وتبصرہ کے لئے آئندہ شمارہ کا انتظار فرمائیں!! (حسن مدنی)

مؤرخہ ۱۴؍جون ۹۹ء کو قومی اخبارات میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے توہین رسالتؐ کے تحت FIR کے اندراج کے قانون میں ترمیم کی منظوری دے دی ہے، نوائے وقت میں چھپنے والی خبر کا متن ملاحظہ ہو:

"وزیر اعظم میاں نواز شریف نے وفاقی وزیر مذہبی و اقلیتی امور سینیٹر راجہ ظفر الحق کی رپورٹ پر توہین رسالتؐ کے مبینہ واقعات میں FIR کے اندراج کے قانون میں ترمیم کی منظوری دے دی ہے۔ یہ انکشاف قومی اسمبلی کے رکن اور سابق وزیر مملکت ڈاکٹر روفن جولیس نے سینیٹر راجہ ظفر الحق کی زیر صدارت اسلام آباد میں منعقدہ اجلاس میں شرکت کے بعد صحافیوں سے بات چیت کے دوران کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے مختلف علاقوں میں جاکر ذاتی طور پر جو سروے کیا ہے، اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جہاں جائیداد کا مسئلہ ہے یا کسی بچی سے زیادتی کا واقعہ ہو وہاں غریب مسیحیوں کو انڈر پریشر کرنے کے لیے پولیس کی ملی بھگت سے ان کے خلاف توہین رسالتؐ کا جھوٹا پرچہ دے دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم نے ہدایت کی ہے کہ جہاں توہین رسالتؐ کا مبینہ واقعہ پیش آئے، اس علاقے کے اچھی شہرت کے حامل دو ایمان دار اور سچے مسلمان اور دو عیسائی منتخب کیے جائیں۔ ڈپٹی کمشنر، ایس۔ ایس پی اور ان چار افراد سمیت چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی اس واقعہ کی تحقیقات کرے گی اور اگر تفتیش کے دوران جرم ثابت ہو گیا تو کمیٹی کی رپورٹ پر FIR درج کی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ کوئی بھی صالح اور پرہیز گار مسیحی توہین رسالتؐ کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

۱۹۹۴ء میں جب پہلی مرتبہ اس قانون میں تبدیلی کی خبر منظر عام پر آئی تھی، تو اس وقت پاکستان کے صدر جناب فاروق احمد خان لغاری، وزیر اعظم بینظیر بھٹو صاحبہ اور وزیر قانون اقبال حیدر صاحب تھے۔ مگر اب ان کی جگہ صدر مملکت جناب رفیق احمد تارڑ صاحب ہیں۔ اس وقت میاں نواز شریف وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہیں۔ یہ وہی وزیر اعظم ہیں جو لادین عناصر کے شدید احتجاج کے باوجود حال ہی میں پاکستان کی قومی اسمبلی سے آئین کی پندرھویں ترمیم المعروف شریعت بل پاس کروا چکے ہیں اور جو سینٹ میں اس قانون کو منظور کروانے کے لیے مطلوبہ اکثریت کے حصول کی سر توڑ کوشش میں لگے رہے ہیں۔ اور پھر آج وفاقی وزیر برائے مذہبی و اقلیتی امور وہ شخصیت ہے کہ جس کی شرافت، دینداری اور حب رسول ﷺ کا ایک زمانہ معترف ہے۔ جو ماضی قریب میں قانونِ توہین رسالت کے دفاع میں بیانات ہی نہیں، مضامین بھی تحریر فرماتے رہے ہیں۔ جناب رفیق احمد تارڑ، میاں نواز شریف اور راجہ ظفر الحق کے ہاتھوں قانونِ توہین رسالتؐ میں تبدیلی کے بل پر اگر دستخط ہوں، تو اس سے زیادہ پریشان کن اور تعجب انگیز خبر اور کیا ہو گی......؟؟

مختصر پس منظر

۲۹۵۔ سی کا قانون ۱۹۸۶ء میں بنا جس کی رو سے گستاخ رسولؐ کی سزا سزائے موت رکھی گئی۔ اس اضافی دفعہ کی وجہ ۱۷ مئی ۱۹۸۶ء کو عاصمہ جہانگیر کی طرف سے رسولِ اکرم ﷺ کے خلاف گستاخانہ جسارت تھی لہٰذا اس قانون کی منظم طریقے سے مخالفت سب سے پہلے قادیانیوں کی طرف سے کی گئی۔ انہوں نے منظم پروپیگنڈہ کے زور پر بالآخر اسے قومی اور عالمی سطح پر مجنونانہ مہم جوئی میں تبدیل کر دیا۔ یورپ و امریکہ آج کل انسانی حقوق کے 'بخار' میں مبتلا ہیں۔ قادیانیوں نے بڑی مہارت اور چالاکی سے مغرب میں مہم چلائی کہ یہ قانون انسانی حقوق کی پامالی ہے۔ اہل مغرب مسلمانوں اور ان کے پیغمبر ﷺ کے خلاف صلیبی جنگوں والے بغض اور تعصب سے باہر نہیں نکلے۔ وہ ان کی توہین کے ہر موقع کو نہ صرف خوش آمدید کہتے ہیں بلکہ اسے اپنے اس نفسیاتی مرض کی تسکین کے لیے استعمال بھی کرتے ہیں۔ سلمان رشدی جیسے ملعون شاتم رسول ﷺ کی حمایت میں خم ٹھونک کر کھڑے ہونا، مغرب کے اسی تعصب کا شاخسانہ ہے۔ قادیانیت پر، جو خود مرزا غلام احمد کے بقول انگریز کا کاشت کیا ہوا پودا ہے، ان کی عنایات ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ وہ اپنے کاشت کیے ہوئے پودے کو ہر صورت میں تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ لہٰذا اہل مغرب نے قادیانیوں کی قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف دہائی کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہوئے اس مسئلہ کو اپنی خارجہ پالیسی کے اہم اہداف سے منسلک کر دیا۔ جنیوا میں پاکستان کی نمائندگی کرنیوالے ایک قادیانی منصور احمد کی کوششوں سے قادیانیوں کی درخواست کو انسانی حقوق کمیشن میں پذیرائی ملی۔ امریکہ میں قادیانیوں کی طرف سے لابنگ کی گئی۔ بالآخر قادیانیوں کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۹۸۷ء میں امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی نے قرارداد پاس کی جس کا ذکر آگے آرہا ہے

پاکستان میں مغربی صہیونی لابی کے سرمائے سے چلنے والی NGOs کی سرگرمیوں اور قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف مجنونانہ مہم جوئی میں اضافہ ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ قادیانیت اور یہودیت کے درمیان عالمی سطح پر گٹھ جوڑ پاکستان میں انسانی حقوق کی علمبردار NGOs کے نیٹ ورک کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ ۱۹۸۷ء میں پاکستان میں انسانی حقوق کمیشن قائم کیا گیا جس کی روح رواں عاصمہ جہانگیر، آئی۔اے رحمٰن و دیگر قادیانی ہیں۔ اس کمیشن نے روزِ اوّل ہی سے قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف زہر افشانی کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ وہ ہمیشہ اس سازش میں لگے رہے کہ کسی طریقہ سے عیسائی اقلیت کو اس قانون کے خلاف بھڑکا کر اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کریں۔ مسیحی مغرب سے زیادہ سے زیادہ فنڈز کی وصولیابی کے لیے انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں نے قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف بعض جذباتی عیسائی نوجوانوں کے ذریعے مسیحی NGOs کا ایک گروہ بھی قائم کیا جس کا ایک نکاتی ایجنڈا قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف شر انگیز پراپیگنڈہ کرنا تھا۔ ۱۹۹۵ء میں جب سلامت مسیح، رحمت مسیح کیس سامنے آیا تو عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی نے اسے نادر موقع سمجھتے ہوئے عیسائی اقلیت میں اپنا اعتبار قائم کیا اور مسیحی تنظیموں کو ۲۹۵ سی کے خلاف تحریک چلانے کے لیے منظم کیا۔

جرمن آمر ہٹلر کا معروف قول ہے کہ ایک جھوٹ کی تکرار اس قدر شدت سے کی جائے کہ وہ بالآخر سچ دکھائی دے۔ انسانی حواسِ سامعہ اور ذہنی ڈھانچہ کچھ اس طرح استوار ہوا ہے کہ کسی چیز کو بار بار سننے سے اس کا تأثر ضرور قبول کرتا ہے۔ انسانی نفسیات اور حواس کی اس کمزوری کو مغربی ذرائع ابلاغ نے بھرپور طریقے سے Exploit (استحصال) کیا ہے۔ موجودہ حکومت کی طرف سے قانونِ توہین رسالتؐ میں تبدیلی بھی غالباً اسی بے بنیاد، اشتعال انگیز اور جارحانہ پراپیگنڈہ مہم کے اثرات کا نتیجہ ہے جو گذشتہ چند برسوں سے بعض مسیحی تنظیموں، انسانی حقوق کی علمبردار NGOs نے شروع کر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ امریکی دفترِ خارجہ، جرمن حکومت اور مغربی پادریوں کے تواتر سے تنقیدی بیانات نے بھی ہماری قیادت کو متاثر کیا ہے۔ حکومتِ پاکستان پر گذشتہ کئی برسوں سے امریکہ کی طرف سے دباؤ ڈالا جاتا رہا ہے کہ وہ قانونِ توہین رسالت ﷺ کو واپس لے، معلوم ہوتا ہے اس دباؤ کے خلاف مؤثر مزاحمت میں قدرے کمی واقع ہوئی ہے۔

گذشتہ سطور میں قانونِ توہین رسالت کی مخالفت کا مختصر پس منظر اور اشارات دیئے گئے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناموسِ رسالت ﷺ کے خلاف برپا کی جانے والی اس نامعقول تحریک کے پس پردہ عالمی قوتوں کی سرگرمیوں کا مفصل سروے پیش کیا جائے۔ اس کے مطالعہ کے بعد عام قاری کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ آخر وہ کون سے اسباب و محرکات ہیں کہ حکومتِ پاکستان اس حساس مسئلہ پر مسلمانوں کے جذبات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک ایسا قدم اٹھانے کا ارادہ رکھتی ہے جو اس کی اپنی ساکھ کو مجروح کرنے کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ آئندہ سطور میں بحث کو درج ذیل نکات میں پھیلایا گیا ہے:

۱۔ امریکہ اور یورپی ممالک کی بیجا تنقید اور ناروا مداخلت
۲۔ خطوط کی مہم
۳۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کا منفی کردار
۴۔ آنجہانی بشپ جان جوزف کی مجنونانہ جدوجہد
۵۔ جیمس صوبہ خان کی مسیحی تنظیموں کے خلاف فردِ جرم
۶۔ بلاجواز مسیحی ردِعمل ...... چند منتخب واقعات
۷۔ بیرونی دباؤ کے حکومتِ پاکستان پر اعتراضات
۸۔ پاکستان میں مسیحی اقلیت سے سلوک
۹۔ قانون توہین رسالت ﷺ میں تبدیلی کے مضمرات

(۱) امریکہ اور یورپی ممالک کی بے جا تنقید اور ناروا مداخلت

معروف کالم نگار اور ناروے کے موجودہ پاکستانی سفیر جناب عطاء الحق قاسمی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا: ”میں سمجھتا ہوں کہ یورپی مغربی دنیا کلیسائی ہے لیکن انہوں نے سیکولرازم کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔ ہم عملی طور پر سیکولر ہیں لیکن بیرونی دنیا کے سامنے خود کو خونخوار اور جنونی مذہبی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔“ (نوائے وقت ۱۰ار فروری ۱۹۹۸ء)

میں مغربی دنیا کے رویہ کے بارے میں قاسمی صاحب کی رائے میں تھوڑا بہت تصرف کر کے یہ کہنے کا میلان رکھتا ہوں کہ "جب اہل مغرب کا مقابلہ مسیحی چرچ سے ہوتا ہے تو وہ 'سیکولر' ہو جاتے ہیں اور جب ان کا واسطہ اسلامی دنیا سے پڑتا ہے تو وہ یکدم 'کلیسائی' ہو جاتے ہیں۔" راقم الحروف نے اپنے ایک مضمون "قانونِ توہین رسالت، انسانی حقوق اور امریکی مداخلت" (شائع شدہ روزنامہ "جنگ" ۶/ اگست تا ۱۰/ اگست ۱۹۹۷ء چار اقساط) میں مغربی دنیا کی طرف سے قانونِ توہین رسالت کی مخالفت کے اسباب و عوامل کا معروضی جائزہ لیتے ہوئے منجملہ دیگر باتوں کے تحریر کیا تھا :

"امریکہ و یورپ کی حد تک مغربی دانشور مذہب مخالف رویوں کا حامل نظر آتا ہے لیکن وہ ابھی تک مغرب اور اسلام کے تعلقات کو صلیبی جنگوں کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ اپنے خود ساختہ مفروضات کی وجہ سے وہ اسلام کے بارے میں سخت خدشات کا شکار ہے...... امریکی سیکولر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا طرزِ عمل اس کے برعکس ہے۔ وہ پاکستان کے عیسائیوں کے حقوق کے تحفظ کو محض اس بنا پر اپنی ذمہ داری تصور کرتے ہیں کہ وہ اُن کے ہم مذہب ہیں۔ بوسنیا کے مسلمانوں کی نسل کشی پر اُن کا ردّ عمل ایک سطحی بیان بازی سے آگے نہ جاسکا۔"

گذشتہ دو سال کے دوران ان موضوعات پر وسیع لٹریچر کے مطالعہ کے بعد راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ امریکہ اور یورپ 'انسانی حقوق' کو محض اپنی ثقافتی استعماریت اور سیاسی غلبہ کے لیے ایک 'ہتھیار' کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ قوموں کے باہمی تعلقات میں وہ انصاف، مساوات اور برابری کی سطح پر آزادیوں پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ مغرب اور مشرق کے انسانوں کے حقوق کو بھی یکساں نہیں سمجھتے۔

گذشتہ دس برسوں میں امریکہ، جرمنی اور دیگر یورپی ممالک کی طرف سے حکومتِ پاکستان پر مسلسل دباؤ ڈالا جاتا رہا ہے کہ وہ قانونِ توہین رسالت ﷺ کو واپس لے اور عیسائی اقلیت کو مساوی حقوق عطا کرے۔ پاکستان کی مسیحی اقلیت کے بارے میں سیکولرازم اور 'انسان دوستی' کے یہ نام نہاد علمبردار اس قدر حساس واقع ہوئے ہیں کہ یہاں کوئی معمولی سا واقعہ بھی پیش آئے ان کی طرف سے فوراً احتجاجی بیانات کے 'میزائل' داغے جاتے ہیں۔ ان کا سیکولرازم دوسرے ممالک کے مسیحیوں کے مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے اُنہیں دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے بھی باز نہیں رکھتا۔

امریکہ اور یورپی ممالک کی طرف سے قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف نہایت تسلسل سے احتجاجی بیانات دیئے جاتے رہے ہیں، اگر ان کو ترتیب دے دیا جائے تو ایک مستقل کتابچہ مدوّن کیا جاسکتا ہے۔ کاش کہ کوئی 'اسلامی حقوق کمیشن' ان موضوعات پر تحقیقات کر کے مسلمانوں کی راہنمائی کرے کہ کس طرح ملتِ کفریہ مسلمانوں کے خلاف 'جسدِ واحد' کی صورت میں سازشوں میں مصروف ہے مگر مسلمان انتشار کا شکار ہیں۔ ذیل میں چند منتخب واقعات کا ذکر بطورِ نمونہ کیا جاتا ہے:

(۱) اپریل ۱۹۸۷ء کو امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی نے پاکستان کو چھ سال کے عرصہ میں چار ارب دو کروڑ ڈالر کی امداد کی فراہمی کے لیے قرارداد منظور کی۔ اس امدادی پیکیج میں پہلی دفعہ "انسانی حقوق کے احترام اور مذہبی آزادیوں کی پاسداری" کی شرائط شامل کی گئیں۔

پاکستان اور امریکہ کے دوطرفہ تعلقات میں اس طرح کی شرائط تعجب انگیز تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی اخبارات نے اس خبر کو شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ نوائے وقت نے ۲۵/ اپریل ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر چھ کالمی سرخی ان الفاظ میں لگائی "امریکی امداد کو جمہوری عمل، انسانی حقوق اور مذہبی آزادی سے مشروط کر دیا گیا"...... معروف صحافی جناب ارشاد احمد حقانی صاحب نے ۵/ مئی ۱۹۸۷ء کو روزنامہ 'جنگ' میں "مشروط امریکی امداد اور پاکستان کا ردّ عمل" کے عنوان سے مفصل تجزیاتی مضمون قلمبند کیا۔ اس مضمون میں انہوں نے امریکی سینٹ کی خارجہ کمیٹی کی رپورٹ سے اصل اقتباسات بھی نقل کیے۔ اس رپورٹ کا پیرا ۹۲۶ غور طلب ہے۔ اس کی رو سے امریکی صدر پر پابندی عائد کی گئی تھی کہ وہ ہر سال سرٹیفکیٹ

جاری کریں گے کہ حکومتِ پاکستان نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا ازالہ کرنے میں نمایاں ترقی کی ہے۔

اس پیراگراف کے ذیلی نکتہ ۴ میں عجیب وغریب مگر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک شرط یہ بھی رکھی گئی تھی، اصل الفاظ ملاحظہ فرمایئے...... امریکی صدر یہ بھی سرٹیفکیٹ دیں گے کہ حکومت

"(۴) اقلیتی گروہوں مثلاً احمدیوں کو مکمل شہری اور مذہبی آزادیاں نہ دینے کی روش سے باز آرہی ہے اور ایسی تمام سرگرمیاں ختم کررہی ہے جو مذہبی آزادیوں پر قدغن عائد کرتی ہیں"

امریکی سینٹ کی خارجہ کمیٹی نے امداد کے پہلے سے طے شدہ سمجھوتے میں یک طرفہ نظرثانی کی تھی۔ اس نظر ثانی کے پس پشت قادیانیوں کی کوششوں کا خاصا دخل تھا۔ پاکستان کو امریکی امداد سے محروم کرکے وہ اندرونِ ملک حکومت پاکستان پر اپنے دباؤ کو بڑھانا چاہتے تھے۔

(۲) وفاقی جرمنی کے وزیر خارجہ ڈاکٹر کلاس کنکل نومبر ۱۹۹۲ء میں پاکستان کے دورہ پر آئے۔ لاہور میں قائدِ حزب اختلاف بے نظیر بھٹو سے انہوں نے ملاقات کے بعد بیان دیا "تیسری دنیا کو امداد انسانی حقوق، منتخب حکومت اور منصفانہ انتخابات سے مشروط کردی جائے۔ جرمن وزیر خارجہ نے بے نظیر کو اقلیتوں سے سلوک پر اپنی تشویش سے بھی آگاہ کیا۔" (روزنامہ جنگ، یکم ستمبر ۱۹۹۲ء)

(۳) ۹/ اگست ۱۹۹۴ء کے "جنگ" میں برطانوی دفتر خارجہ کا یہ بیان چھپا: "مذہبی توہین کے قانون میں ترمیم نہ کرنا افسوسناک ہوگا۔" یہ بات ذہن میں رہے کہ ان دنوں پاکستان میں سلامت مسیح کیس ہائی کورٹ میں زیر سماعت تھا۔ اس خبر کے متن کے یہ جملے بھی غور طلب ہیں:

"برطانوی حکومت کی طرف سے پاکستان پر زور دیا جاتا رہے گا کہ تمام اقلیتوں کے ساتھ نہایت منصفانہ سلوک روا رکھا جائے۔ دفتر خارجہ نے کہا کہ اگرچہ سلامت مسیح پر مذہبی توہین کا الزام برقرار ہے مگر یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ وزیر اعظم بینظیر کی ذاتی مداخلت کی بنا پر سلامت مسیح کو ضمانت پر رہا کردیا گیا۔ علاوہ ازیں سلامت مسیح کے ساتھ ملزم منظور مسیح کے قتل کے الزام میں مولوی فضل حق، ماسٹر عنایت اور فضل الحق کے ایک رشتہ دار کو گرفتار کیا جاچکا ہے۔ فضل الحق توہین رسالتؐ کے مقدمہ میں شکایت کنندہ تھا اور عنایت نے رحمت مسیح کے خلاف معاملہ کو ہوا دی تھی۔ برطانوی حکومت منتظر ہے کہ ان ملزموں کے خلاف الزامات عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ برطانوی حکومت گل مسیح کے مقدمہ پر بھی نظر رکھے ہوئے ہے اور یہ مسئلہ پاکستان کے ساتھ اعلیٰ سطح پر اٹھایا گیا ہے۔"

یہ بات کس قدر افسوسناک ہے کہ توہین رسالتؐ کے ملزمان کو حکومت نے رہا کرادیا مگر اس مقدمہ کے مدعی بے گناہ مولوی فضل الحق کو قتل کے مقدمہ میں گرفتار کرادیا تاکہ سلامت مسیح کیس میں اس سے من چاہا بیان لیا جاسکے۔ حالانکہ منظور مسیح کے اصل قاتل بقول جیمس صوبے خان بشپ رابرٹ عذرلیا اور اس کے دیگر ساتھی ہیں۔

(۴) امریکی نائب وزیر خارجہ رابن رافیل مارچ ۱۹۹۶ء میں پاکستان کے دورہ پر آئیں اس دوران انہوں نے اپنی تقاریر اور بیانات میں تواتر سے قانونِ توہین رسالتؐ پر تنقید کی۔ روزنامہ نوائے وقت کی ۸/ مارچ ۱۹۹۶ کی ایک خبر ملاحظہ فرمایئے:

"امریکہ نے حکومتِ پاکستان پر زور دیا ہے کہ وہ توہین رسالتؐ کے قوانین منسوخ کردے کیونکہ امریکہ کے مطابق ان قوانین سے مذہبی عدم رواداری بڑھ رہی ہے۔ امریکی نائب وزیر خارجہ رابن رافیل نے سینٹ کی سب کمیٹی کو بتایا کہ توہین رسالتؐ کے قانون سے مذہبی عدم برداشت کی فضا پیدا ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے بارہا کھلے عام ان قوانین کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔"

(۵) ۲۴/ جولائی ۱۹۹۷ء کو پاکستان کے تمام قابل ذکر اردو اخبارات نے سب سے بڑی سرخی یہی لگائی کہ امریکہ نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ توہین رسالتؐ کا قانون ختم کردیا جائے۔ اس خبر پر پاکستان کے محبِ وطن حلقوں نے شدید ردِّ عمل

کا اظہار کرتے ہوئے اسے پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دیا۔ راقم الحروف نے اس خبر کے خلاف ردِّ عمل کے طور پر ایک تفصیلی مقالہ "قانون توہین رسالتؐ، انسانی حقوق اور امریکی مداخلت" تحریر کیا تھا جو روزنامہ جنگ لاہور، کراچی، راولپنڈی اور لندن سے بیک وقت ۶/اگست ۱۹۹۷ء اور ۱۰/اگست ۱۹۹۷ء کے دوران چار قسطوں میں شائع ہوا تھا۔

(۶) ہفت روزہ آواز انٹرنیشنل، لندن نے یکم اگست ۱۹۹۷ء کو امریکی حکومت کے حوالہ سے خبر شائع کی، "کلنٹن انتظامیہ نے پاکستان پر توہین رسالت کا قانون منسوخ کرنے کے لئے زور دیا ہے۔ کانگریس کی منظور شدہ دفتر خارجہ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کا آئین اسلام کو مملکت کا مذہب قرار دیتا ہے۔ ۱۹۸۶ء سے تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵۔ سی کے ذریعے نبی اکرم کی توہین کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں پر مظالم ہو رہے ہیں۔ توہین مذہب کے قانون اور امتیازی مذہبی قانون سے اقلیتوں کے خلاف تشدد کو ہوا ملی ہے۔ رپورٹ کے مطابق امریکہ بار بار پاکستان پر زور دے چکا ہے کہ توہین رسالت کا قانون ختم کیا جائے۔"

(۷) "پاکستان میں مذہبی قوانین اشتعال انگیز ہیں، انہیں کالعدم قرار دیا جائے...... امریکہ"

۸/مارچ ۱۹۹۶ء کے روزنامہ جنگ کی یہ سرخی تھی۔ اس بیان میں مزید کہا گیا: "یہ قوانین دوسرے مذاہب کے لوگوں کے خلاف تنگ نظری کے حامل ہیں۔ قادیانی خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن حکومت انہیں مسلم قرار نہیں دیتی۔"

...... یہ بیان بالکل قادیانی اسلوب کا حامل ہے، امریکی حکومت نے اسے محض دہرانے کا تکلف کیا۔

(۸) ۱۹۹۵ء میں جب سلامت مسیح کیس زیر سماعت تھا جرمنی کے صدر اپریل ۱۹۹۵ء میں اچانک تشریف لائے، ان کا مقصدِ وحید پاکستانی حکومت پر قانونِ توہین رسالتؐ کے سلسلے میں دباؤ ڈالنا تھا۔

۱۶/اپریل ۱۹۹۵ء کو جرمنی کے صدر کا بیان ملاحظہ فرمایئے: (روزنامہ جنگ، لاہور)

> "جرمنی کے صدر ڈاکٹر رومن ہرزوگ نے کہا کہ ہم قانونِ توہین رسالت کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قانونِ توہین رسالت کے حوالے سے نہ صرف صدر فاروق لغاری وزیر اعظم بینظیر بھٹو سے بلکہ قائد حزبِ اختلاف میاں محمد نواز شریف سے بھی گفتگو کی اور اس قانون کے تحت سزا کو سخت قرار دیتے ہوئے اسے نرم کرنے کی تجویز پیش کی۔"

(۹) پاکستان کی جنوبی مسیحی تنظیموں نے لاٹ پادری ڈاکٹر جارج ایل کیری کی منت سماجت کی کہ وہ پاکستان آکر قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف ان کی جدوجہد میں ان کی اَخلاقی سرپرستی و امداد کا فریضہ سرانجام دیں۔ دسمبر ۱۹۹۷ء میں آرچ بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر جارج ایل کیری پاکستان تشریف لائے اور آتے ہی اس 'جہاد' میں ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے پاکستانی حکام پر زور دیا کہ ناموسِ رسالتؐ کے قانون میں ترمیم کی جائے۔ (جنگ ۵/دسمبر ۱۹۹۷ء)

پاکستان کی مذہبی اور بعض سیاسی جماعتوں کے راہنماؤں نے ان کے بیانات کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی۔ ذرائع اَبلاغ نے بھی انہیں سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ روزنامہ خبریں نے ۷/دسمبر ۱۹۹۷ء کو اپنے اداریے میں لکھا:

> "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انگلستان کے "لاٹ پادری" کسی خاص منصوبہ بندی کے تحت پاکستان آئے ہیں اور انہوں نے یہاں توہین رسالتؐ کے قانون میں ترمیم کا مسئلہ کھڑا کر کے انہوں نے پاکستان کے مسیحیوں اور مسلمانوں کے درمیان تفریق اور شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ انگلستان میں قتل پر موت کی سزا نہیں ہے لیکن ملکہ کی توہین اور برطانوی بحریہ کے جہاز کو نقصان پہنچانے پر موت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ انگلستان کے لاٹ پادری کو ملکہ کی توہین پر سزائے موت پر غالباً کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور وہ توہین رسالتؐ کے قانون پر اعتراض کرنے اور اس قانون کو تبدیل کرانے کے لیے پاکستان آگئے ہیں۔"

(۱۰) قانون توہین رسالتؐ کے خلاف امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کی مہم جوئی اب ان کی خارجہ پالیسی کا مستقل حصہ بن گئی ہے۔ ہر سال ان کی آواز میں شدت اور ان کی رپورٹوں کی ضخامت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے تنخواہ دار پاکستانی مخبر انہیں زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کر رہے ہیں۔ فروری ۱۹۹۸ء میں "امریکی بیورو آف ڈیموکریسی، ہیومن رائٹس اینڈ لیبر" نے پاکستان کے بارے میں مفصل رپورٹ شائع کی۔ اس میں بھی وہی پرانی تکرار موجود تھی۔ روزنامہ "جنگ" اور "خبریں" نے اس رپورٹ کا ترجمہ کئی قسطوں میں شائع کیا۔ راقم الحروف نے اس رپورٹ کا انسانی حقوق کمیشن کی رپورٹ سے موازنہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا تھا کہ اس رپورٹ کا اصل سرچشمہ پاکستان میں شرانگیزی کرنے والا عاصمہ جہانگیر کا انسانی حقوق کمیشن ہے۔

(۱۱) مارچ ۱۹۹۹ء کے پہلے ہفتہ میں ایک دفعہ پھر مذکورہ امریکی بیورو کریسی کی رپورٹ پاکستانی اخبارات میں شائع ہوئی۔ ایک دفعہ پھر پاکستان کو مذہبی امتیازی قوانین کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا اور اقلیتوں پر مبینہ ظلم و تشدد کا مبالغہ آمیز تذکرہ کیا گیا تھا۔ اس دفعہ بھی پاکستانی راہنماؤں کی طرف سے شدید احتجاج کیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حکومت پاکستان نے جراءت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس رپورٹ کو نہ صرف مسترد کر دیا بلکہ یہ بھی کہا کہ یہ رپورٹ پاکستان کی NGOs کی تیار کردہ ہے جس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (روزنامہ پاکستان ۷ر مارچ ۱۹۹۹ء)

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ امریکہ اور دیگر یورپی ممالک نے پاکستانی عوام کے احتجاج کی پروا کیے بغیر مسلسل قانونِ توہین رسالت کو ختم کرنے کے مطالبہ کی تکرار کی ہے۔ دراصل یہ جدید صہیونی پراپیگنڈہ کا بنیادی اصول ہے کہ غلط بات کی تکرار جاری رکھو۔ شروع میں اس کے خلاف شدید مزاحمت کی جائے گی، مگر آہستہ آہستہ جارحانہ پراپیگنڈہ کے سامنے یہ مزاحمت کمزور پڑتی جائے گی۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ مزاحمت ختم ہو جائے گی۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا سطور میں جو حوالہ جات نقل کیے گئے ہیں وہ تمام بیانات کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں لیکن ان سے کم از کم آپ یہ اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں کہ ناموسِ رسالتؐ کے خلاف عالمی سطح پر کس درجہ کی مذموم سازش کو عملی شکل دی جا رہی ہے اور ہمارے راہنما اس سازش کا ادراک نہ کرتے ہوئے ناموسِ رسالت کے تحفظ کے تقاضوں سے کس قدر غفلت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

(۲) خطوط کی مہم

امریکہ اور یورپ کو پاکستان کے خلاف بھڑکانے اور پاکستان کے مسیحی گستاخانِ رسولؐ کو ممکنہ سزا سے بچانے کے لیے نوزائیدہ مسیحی تنظیمیں جو زیادہ تر غیر سنجیدہ، جذباتی اور مغرب کے تنخواہ دار مسیحی نوجوانوں پر مشتمل ہیں، یورپ اور امریکہ کی مسیحی تنظیموں کو بے حد مبالغہ آمیز اور دردناک خطوط کا ایسا سلسلہ شروع کرتی ہیں کہ وہاں اضطراب، رنج و الم اور شدید احتجاج کی فضا جنم لیتی ہے۔ یورپی دنیا میں پھیلی ہوئی مسیحی تنظیموں کا یہ "نیٹ ورک" اس طرح کی خطوط بازی سے متاثر ہو کر بالآخر پاکستان کے خلاف وسیع پیمانے پر تحریک برپا کر دیتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے زیر اثر ذرائع ابلاغ بھی اس جارحانہ مہم جوئی میں شریک ہو کر پاکستان جیسی اسلامی ریاست کے خلاف زہریلے پراپیگنڈہ کے طوفان کھڑا کر کے پاکستان کو "وحشیوں کے ملک" کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ اس منفی پراپیگنڈہ سے امریکہ اور یورپ کی حکومتیں بھی شدید متاثر ہوتی ہیں، وہ بھی اس احتجاجی مہم میں شریک ہو کر بین الاقوامی قانون اور اخلاقیات کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حکومت پاکستان پر اپنے دباؤ کو بڑھا دیتی ہیں۔ اس مذموم پراپیگنڈہ مہم کا بنیادی نکتہ ہی یہ رکھا جاتا ہے کہ پاکستان میں جب بھی کسی مسیحی کے خلاف ۲۹۵۔سی کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں کوئی مقدمہ درج ہوتا ہے، وہ ہمیشہ غلط اور بدنیتی پر مبنی اور اقلیتوں پر ناروا ظلم ڈھانے کی غرض سے درج کیا جاتا ہے۔ مسیحی یورپ اپنے صلیبی تعصب کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر گھٹیا اور رذیل الزام

تراشی کی 'صحت' کو بلا چون وچرا تسلیم کرلیتا ہے بلکہ یورپ کی بعض مسیحی تنظیمیں تو اس انتظار میں ہوتی ہیں کہ پاکستان سے اس طرح کا کوئی خط موصول ہو اور وہ اپنی جارحانہ مہم جوئی کا آغاز کریں۔ مسلمانوں کے خلاف اس طرح کی جدوجہد میں معلوم ہوتا ہے انہیں مریضانہ روحانی لذت محسوس ہوتی ہے۔

پاکستان کے جنونی مسیحی شر انگیزوں کی طرف سے خطوط بازی کی ایسی مہم کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ سرگودھا کے دور دراز کے گاؤں کے ایک عیسائی گل مسیح نے پیغمبر اسلام کے خلاف اہانت آمیز کلمات کہے۔ چشم دید گواہوں کے بیانات کی روشنی میں اس پر ۲۹۵۔سی کے تحت مقدمہ درجہ کیا گیا۔ نومبر ۱۹۹۲ء میں ایڈیشنل سیشن جج نے الزامات ثابت ہونے پر گل مسیح کو سزائے موت سنادی۔ دسمبر ۱۹۹۲ء میں لاہور ہائی کورٹ میں عاصمہ جہانگیر (قادیانی) اور لادین اشتراکی عابد حسن منٹو نے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی۔ عاصمہ جہانگیر نے عدالتِ عالیہ میں اس مقدمہ کی پیروی پر اکتفا کرنے کی بجائے حسب معمول پریس ٹرائیل، شروع کردیا اور مسیحی تنظیموں کو جمع کرکے انہیں امریکہ اور یورپ کی مسیحی NGOs کی حمایت کے لیے خطوط کی مہم جاری کرنے پر اکسایا۔ بعض مسیحی وفد یورپ کے دورہ کے لیے تشکیل دیئے گئے جہاں انہوں نے اس مقدمہ کے خلاف فضا کو ہموار کرنا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیموں، مسیحی برادری، یورپی حکومتی اہل کاروں اور بعض حساس عیسائیوں نے اس مقدمہ کے حوالہ سے بیان بازی اور احتجاج کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع کردیا۔ اس احتجاجی مہم نے ایک دفعہ پھر صلیبی جنگوں کی یاد تازہ کردی۔ پاکستان کے ایک عام مسیحی گل مسیح کی حمایت ہی اصل جذبہ محرکہ نہ تھا، یہ دراصل اسلام اور مغرب کے تصادم کے تناظر میں پائے جانے والا زہریلے جذبات کا مجنونانہ اظہار تھا۔

پاکستانی عیسائیوں کے ترجمان ایک پندرہ روزہ رسالے "کیتھولک نقیب" نے اپنی یکم تا ۱۵؍ جولائی ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں پوری مسیحی دنیا سے موصول ہونے والے ان خطوط کو شائع کیا۔ ان میں سے درج ذیل منتخب خطوط کے مطالعہ سے آپ راقم کی مذکورہ بالا معروضات کی تائید فرمائیں گے۔ ذرا غور کیجئے ملتِ کفریہ ایک معمولی سے واقعہ کے خلاف کس طرح متحد ہو جاتی ہے، اس کے باوجود مسلمانوں کو متعصب کہا جاتا ہے:

۱۔ "ہم نے غلام اسحٰق کو لکھا ہے کہ وہ منصفانہ فیصلہ کروائیں اور ایسا بہت جلد ہو گا" فلاک، بلجیم

۲۔ "ہمیں یقین ہے تم پر بے بنیاد الزام ہے۔ ہم نے پاکستانی حکامِ بالا کو احتجاجی خطوط لکھے ہیں" لیون، فرانس

۳۔ "ہماری جدوجہد تمہاری رہائی تک جاری رہے گی" گریڈنس، ہالینڈ

۴۔ "حوصلہ رکھو! ہم افریقہ میں تمہارے لیے کوشش کر رہے ہیں" آرنا، جنوبی افریقہ

۵۔ "حکومتِ پاکستان کو ہر صورت میں تمہیں باعزت بری کرنا ہوگا" جین (عورت)، آسٹریلیا

۶۔ "ہم آپ کی طرف سے حکامِ بالا کو لکھ رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ انہیں معلوم ہو کہ دنیا اس پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہے کہ آپ کے ساتھ مناسب برتاؤ کیا جائے" رسل و شیرن سموئل، امریکہ

۷۔ "ہم نے صدر، وزیر اعظم اور اٹارنی جنرل کو خطوط لکھے ہیں" مارک، مانچسٹر

۸۔ "میں نے برٹش فارن آفس کو خط لکھا اور اپیل کی کہ وہ آپکے مقدمے کیلئے مدد کرے۔ برادر لیناسکس، اسکاٹ لینڈ

۹۔ "برطانیہ میں آپ کے لیے زبردست مہم جاری ہے اور ہمیں امید ہے کہ جلد ہی مثبت نتائج سامنے آئیں گے" فریلک، فن لینڈ

۱۰۔ "مجھے یقین ہے کہ تم بے گناہ ہو، میں نے وزیر اعظم نواز شریف سے اپیل کی ہے کہ قانونِ گستاخی رسول منسوخ

کروائیں اور آپ کو جلد از جلد رہا کیا جائے" ڈیوڈ، اسکاٹ لینڈ

۱۔ میں نے اسٹیٹ سے اعلیٰ افسران کو اس بات پر رضامند کیا ہے کہ وہ احتجاجی خطوط لکھیں۔ مائیکل کٹلے، امریکہ

۱۱۔ "کینیڈا کے اخبار میں آپکے متعلق پڑھا، ہم ہر طرح سے آپکے ساتھ اور آپکی رہائی کے لیے کوشاں ہیں" لاری، کینیڈا

...... گستاخ گل مسیح کے لیے اس کے ہم مذہب یورپی مسیحیوں کی سطحی جذباتیت ملاحظہ کیجئے :

۱۳۔ "تم میری دعاؤں میں ہو" کیٹ (عورت)، آئرلینڈ

۱۴۔ "میں آپکو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ اس مشکل وقت میں ہم آپ کیلیے دعائیں اور سوچ و بچار کررہے ہیں" اینا ایڈورڈ، انگلینڈ

۱۵۔ "تم کہاں ہو، ہم مل کر تمہیں ضرور ڈھونڈ لیں گے"۔ مارک، آسٹریلیا

۱۶۔ "خداوند کے فرشتے تمہاری مدد کرتے ہیں" جولاک، ایمسٹرڈم

(نوٹ: یہ تلخیص شدہ بیانات میں نے ڈاکٹر محمد صدیق شاہ بخاری کے مضمون امتناعِ قادیانیت آرڈیننس، دفعہ 295-C سے نقل کئے ہیں جو کتاب "امریکہ جیت گیا" میں شامل ہے۔) ...... خطوط کا لب و لہجہ بتا رہا ہے کہ یہ خطوط گل مسیح کو لکھے گئے۔ گویا یہاں سے بھیجا جانے والا خط اس کے دستخطوں سے جاری کیا گیا تھا۔

مندرجہ بالا جذباتی تعریف، بیانات اور خطوط وصول کرنے کے بعد گل مسیح جیسا معمولی درجہ کا انسان اپنے آپ کو جس روحانی ترفع کے مقام پر سمجھے گا، وہ آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ایک مجرم گل مسیح کو تخیلات کے زور پر ان مسیحی مکتوب نگاروں نے ایک مقدس ہستی کا روپ دے دیا۔ اس عزت افزائی کے بعد اگر گل مسیح مقدمہ سے بری ہو جائے تو کیا وہ اس 'جرم' کی طرف دوبارہ مائل نہیں ہوگا؟ یہی اہل یورپ کی بے جا اور متعصبانہ حمایت ہے جو پاکستان کے ادنیٰ درجہ کے مسیحیوں کو توہین رسالت کے جرم پر اُبھارتی ہے۔ یہ تو محض چند خطوط ہیں جن کو یہاں نقل کیا گیا ہے، اس طرح کے ہزاروں خطوط اگر ہمارے حکمرانوں کو مل جائیں، تو کیا ان کے فیصلوں پر اثرانداز نہ ہوں گے؟

(۳) ایمنسٹی انٹرنیشنل کا منفی کردار

انسانی حقوق کے صہیونی نیٹ ورک کا ایک خطرناک اور فریب کن مہرہ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی صورت میں کام کررہا ہے۔ انسانی حقوق کے پردے میں یہ درحقیقت خفیہ صہیونی ایجنڈے کی تکمیل پر گامزن ہے۔ مسلمان ممالک کے خلاف اسکا رویہ حد درجہ معاندانہ ہے۔ یہ امریکہ کی مخالفت بھی وہاں کرتا ہے جہاں یہودی ایجنڈے کو زک نہ پڑنے کا امکان ہو۔

یہودی ہمیشہ قادیانیت نواز رہے ہیں۔ اگر پاکستان کی انسانی حقوق کی تنظیموں پر قادیانی چھائے ہوئے ہیں تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، یہ یہودی قادیانی گٹھ جوڑ کا منطقی نتیجہ ہے۔ عاصمہ جہانگیر کی سرپرستی میں چلنے والا انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان درحقیقت ایمنسٹی انٹرنیشنل کا ایجنٹ بلکہ پاکستانی وِنگ ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (HRCP) کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال کے بارے میں ایمنسٹی انٹرنیشنل جو رپورٹیں تیار کرتا ہے اس کا اصل سرچشمہ، منبع و مصدر HRCP ہی ہے۔ HRCP اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹوں میں حد درجہ مماثلت بلاوجہ نہیں ہوتی۔ عاصمہ جہانگیر عجب فریب کی چال چلتی ہے، پہلے وہ خود ہی ایمنسٹی انٹرنیشنل اور امریکی حکومت کو اعداد و شمار بھجواتی ہے۔ بعد میں جب ایمنسٹی انٹرنیشنل، اور امریکی دفتر خارجہ یہی رپورٹیں اپنے دستخطوں کے ساتھ پاکستان کے متعلق جاری کرتے ہیں تو عاصمہ جہانگیر ان کو خوب اُچھالتی ہے۔ HRCP کے تنخواہ دار جعلی دانشور اس پر تجزیے کے انبار لگا دیتے ہیں۔ کمیشن کے "پے رول" پر صحافی اخبارات میں ان پر

مضمون نگاری فرماتے ہیں۔ انگریزی اخبارات و رسائل جن پر HRCP کی نوازش ہائے بے جا عام ہیں، اپنے اداریوں میں ان پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح عاصمہ جہانگیر کی طرف سے تیار کردہ منفی اور پاکستان کو بدنام کرنے والی رپورٹ یورپ کی 'لانڈری' سے جب ڈھل کر آتی ہے تو اس کا خوب چرچا کیا جاتا ہے۔ راقم الحروف نے ۱۹۹۷ء میں انسانی حقوق کی رپورٹوں کے اس "فراڈ" اور ڈرامے کا اپنے ایک مضمون میں پول کھولا تھا۔ حکومت پاکستان کو حال ہی میں یہ سارا ڈرامہ سمجھ میں آیا ہے۔ مارچ ۱۹۹۹ء میں جب ایمنسٹی انٹرنیشنل اور امریکی دفتر خارجہ کی پاکستان کی انسانی حقوق کی صورت حال کے متعلق رپورٹیں منظر عام پر آئیں تو پاکستان کے دفتر خارجہ نے پہلی مرتبہ یہ بیان دیا کہ یہ رپورٹیں پاکستان کی NGOs کی ارسال کردہ ہیں

ایمنسٹی انٹرنیشنل پاکستان کے قادیانیوں پر ہونے والے مبینہ 'مظالم' کی داستانیں خوب نمک مرچ لگا کر پیش کرتی ہے۔ اس کی ایک بھی رپورٹ ایسی نہیں ہے جس میں پاکستان کے قادیانیوں کی مظلومیت کا رونا نہ رویا گیا ہو۔ اسی طرح اس کی ایک بھی رپورٹ ایسی نہیں ہے جس میں پاکستان کے قادیانیوں کی کسی ایک زیادتی کی نشان دہی کی گئی ہو۔ گویا انہوں نے فرض کر رکھا ہے کہ پاکستان کے قادیانی تو "معصوم عن الخطاء" ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ بے حد ڈھٹائی سے اپنے غیر جانبدار مبصر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۱۹۹۴ء میں پیپلز پارٹی کے دور میں جب پاکستان میں قانونِ توہین رسالت کے خاتمے کی تحریک زوروں پر تھی۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی اس قانون کے تحت قادیانیوں پر ظلم و ستم کو مبالغہ آمیز طریقے سے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ اپریل ۱۹۹۴ء میں ایمنسٹی نے ایک رپوٹ جاری کی جس کا عنوان تھا: "پاکستان میں جماعتِ احمدیہ پر مظالم کے سلسلہ میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی تازہ رپورٹ"

قادیانی ہفت روزہ 'الفضل انٹرنیشنل' نے یکم جولائی ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں اس رپورٹ کا ترجمہ شائع کیا۔ اس رپورٹ میں قادیانیوں کے روزنامہ 'الفضل'، ماہنامہ 'انصار اللہ'، عورتوں کے رسالہ 'مصباح'، قادیانی نوجوانوں کے رسالہ 'خالد' اور پندرہ روزہ رسالہ 'تحریکِ جدید' کے خلاف درج کردہ مقدمات کی مکمل تفصیلات اور اعداد و شمار دیئے گئے ہیں۔ یہ اعداد و شمار اس قدر باریک بینی سے تیار کئے گئے ہیں کہ قادیانیوں کے سوا نہیں کوئی دوسرا مرتب کر ہی نہیں سکتا۔ اس رپورٹ میں قادیانیوں کو 'مسلمانوں کا ایک فرقہ' بتایا گیا ہے۔ اور قادیانیوں کو 'غیر مسلم' قرار دینے اور قادیانی مذہب کی تبلیغ پر پابندی عائد کرنے کا مکمل پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔ ۲۹۸۔ بی کے علاوہ قانونِ توہین رسالت یعنی ۲۹۵۔ سی کا بھی مفصل جائزہ لیا گیا ہے...... ایمنسٹی انٹرنیشنل کی اس رپورٹ کے بعض حصوں اور سفارشات کو یہاں نقل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے:

۱۔ "اس دفعہ ۲۹۵/سی کے تحت کئی ایک احمدیوں پر مقدمات قائم کئے گئے ہیں لیکن ایمنسٹی انٹرنیشنل کی اطلاع کے مطابق کسی احمدی کو اس کے تحت ابھی تک سزا نہیں دی گئی۔ (تو پھر واویلا کس بات کا ہے......؟؟)

۲۔ پاکستان میں نت نئی کڑی قانون سازی کی وجہ سے جماعتِ احمدیہ کے افراد کو محض اظہار رائے کی آزادی کے حق، اور مذہبی عقائد کے اظہار کی آزادی کے حق کو استعمال کرنے کی وجہ سے گرفتار کیا جاسکتا ہے اور پھانسی کی سزا دی جاسکتی ہے۔

۳۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل خاص طور پر تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵/سی کی قانونی ترمیم جو توہین رسالت ﷺ کے جرم کی سزا صرف اور صرف موت قرار دیتی ہے، پر تشویش کا اظہار کرتی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نزدیک سزائے موت انتہائی غیر منصفانہ اور سنگدلانہ سزا ہے۔

۴۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل حکومتِ پاکستان سے تقاضا کرتی ہے کہ مذہبی عقائد کے اظہار کی بنا پر کسی احمدی کے خلاف نہ تو کوئی مقدمہ درج کیا جائے اور نہ ہی سزا دی جائے۔

۵۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتی ہے کہ دفعہ ۲۹۵/سی کے تحت سزائے موت کی ممانعت ہونی چاہئے اور ایسے اقدام کرنے چاہئیں جس سے اس جرم کی سزا سزائے موت ختم ہوسکے۔"

مذکورہ بالا رپورٹ کے علاوہ بھی ہر موقع پر ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پاکستان میں توہین رسالتؐ کے قانون کو ختم کرنے

ایمنسٹی انٹرنیشنل رپورٹ ۱۹۹۷ء: ۱۹۹۷ء میں پاکستان نے اپنی گولڈن جوبلی منائی۔اس سال کے دوران مغربی میڈیا اور صہیونی اداروں نے پاکستان کی نظریاتی اَساس کو وسیع پیمانے پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہودی لابی کے زیر اثر اخبارات اور رسالہ جات نے قیامِ پاکستان کو ایک 'غیر دانش مندانہ' اور انسانیت کو مذہبی بنیادوں پر تقسیم کرنے والے فیصلہ کے طور پر اُچھالا۔ اس وقت ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ۱۹۹۷ء کی رپورٹ راقم کے سامنے ہے۔ یہ رپورٹ بھی ۱۹۹۷ء میں صہیونی لابی کی طرف سے پاکستان مخالف ایجنڈا کی پیروی پر مبنی ہے۔ اس میں پاکستان مخالف پراپیگنڈہ اپنے عروج کو پہنچا ہوا ہے۔ پاکستان کو ایک وحشیانہ ریاست کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس رپورٹ کا بیشتر حصہ قادیانیوں کے خلاف کیے جانے والے مبینہ ظلم وستم، قانونِ توہین رسالتؐ ۲۹۵۔سی کے خلاف زہر افشانی اور پاکستان میں اقلیتوں کی مذہبی آزادی پر پابندیوں کے طولانی ذکر پر مشتمل ہے۔ اس رپورٹ میں حسبِ معمول 'قادیانی حقوق' کو انسانی حقوق کا لبادہ اوڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نزدیک 'انسانیت' اور 'قادیانیت' ہم معنی ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستان میں اگر کسی طبقہ کے 'انسانی حقوق' ہیں، تو وہ صرف قادیانی اُمت ہے۔ قادیانیوں کے خلاف درج مقدمات میں حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ اور واقعات کو قادیانی آنکھ سے بیان کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کو پاکستان کے نام نہاد انسانی حقوق کمیشن کی سالانہ رپورٹیں دیکھنے کا موقع بھی ملا ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی مذکورہ رپورٹ پاکستان کے انسانی حقوق کمیشن کی تیار کردہ معلوم ہوتی ہے۔ راقم الحروف کا وِجدان یہ کہتا ہے کہ اس رپورٹ کا اصل مصنف انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کا ڈائریکٹر آئی۔اے رحمن قادیانی ہے کیونکہ اس رپورٹ کا طرزِ نگارش اس نامور قادیانی صحافی کی تحریروں سے بہت حد تک مماثلت رکھتا ہے۔ اس رپورٹ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں قانونِ توہین رسالتؐ کے مرتکب زیر حراست بے ضمیر قادیانیوں کو "ضمیر کے قیدی" (Prisoners of Conscience) کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس رپورٹ کا ۸۰ فیصد حصہ قادیانیوں کی حمایت میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس سے چند اقتباسات قارئین کے غور وفکر کے لیے درج کیے جاتے ہیں:

۱) "تعزیراتِ پاکستان کی ان دفعات (۲۹۵۔سی) کو مذہبی جرائم کے نام پر کئی سالوں سے سینکڑوں لوگوں کو ہراساں اور پریشاں کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اس طرح دراصل ان کو آزادیٔ مذہب کے اصول پر کاربند ہونے کی سزا دی جاتی ہے۔ زیادہ تر اس ظلم کا نشانہ بننے والی پاکستان کی مذہبی اقلیتیں احمدی اور عیسائی ہیں۔"

۲) "توہین رسالتؐ کے بہت سے مقدمات میں ملزموں کو توہین رسالتؐ کے اقدامات کی وجہ سے نہیں بلکہ اقلیتی طبقہ کے ساتھ نفرت اور ذاتی دشمنی، حسد یا پیشہ ورانہ رقابت کی وجہ سے ان مقدمات میں اُلجھایا گیا۔ اسطرح توہین رسالتؐ کے ملزم محض اپنے مذہبی عقائد کی وجہ سے ضمیر کے قیدی بنائے گئے اور جب سے توہین رسالت کی سزا صرف موت مقرر کی گئی ہے، کئی ایسے ضمیر کے قیدیوں کو سزا دیے جانے کا امکان ہے اور فی الحقیقت ان کو ایسی سزا سنائی گئی ہے۔"

۳) "تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵۔سی کا اضافہ ۱۹۸۶ء میں کیا گیا جس کے مطابق ہر وہ شخص جو رسولِ کریم ﷺ کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے، اسے عمر قید یا موت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ بعد میں عمر قید کی سزا کو ختم کرکے توہین رسالت کی سزا صرف موت ہی رہنے دی گئی۔"

۴) "اس وقت دو ہزار کے لگ بھگ احمدیوں پر مذہبی الزامات پر مشتمل مقدمات مختلف عدالتوں میں ہیں اور ۱۱۹ احمدیوں پر توہین رسالتؐ کے مقدمات زیر دفعہ ۲۹۵۔سی قائم ہیں۔"

۵) "احمدیوں کے ساتھ کئی نوع کا امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ انہیں آزادیٔ تقریر حاصل نہیں اور نہ ہی کوئی

اجتماع کر سکتے ہیں، ان کی کئی مساجد کو 'سیل' کر دیا گیا ہے۔ لٹریچر شائع کرنے پر پابندی ہے، تعلیم اور ملازمتوں کے حصول میں امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ ان کا سوشل اور اقتصادی بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔"

۶) "ملکی اور عالمی سطح پر توہین رسالتؐ کی دفعات خصوصاً دفعہ ۲۹۵۔ سی کے غلط استعمال پر احتجاج کی وجہ سے ۱۹۹۴ء حکومت نے ایک بیان میں کہا تھا کہ وہ اس ضمن میں دو ترامیم کرے گی: "(i) توہین رسالتؐ کا مقدمہ درج کرنے اور گرفتاریوں سے پہلے جوڈیشنل مجسٹریٹ کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ (ii) توہین رسالتؐ کے دفعات کے تحت جھوٹا مقدمہ درج کرانا قابل دست اندازی پولیس جرم متصور ہوگا۔"...... لیکن دینی تنظیموں کے احتجاج کی وجہ سے ۱۹۹۵ء کے وسط میں بینظیر حکومت اس سے مکر گئی۔"

۷) "۱۹۹۵ میں صدر فاروق لغاری نے عیسائیوں کو یقین دلایا کہ مجسٹریٹوں کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ عیسائیوں پر توہین رسالت کے مقدمات درج کرنے سے پہلے ان کی چھان بین کر لیا کریں۔ تقریباً ۲ سال تک ان ہدایات کا مثبت اثر محسوس کیا جاتا رہا...... جہاں عیسائیوں کو اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی کہ ان کے خلاف توہین رسالتؐ درج کرنے سے پہلے مجسٹریٹ واقعات کی چھان بین کریں گے، ایسی یاد دہانی سرکاری طور پر احمدیوں کو نہیں کرائی گئی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ احمدیوں کے خلاف بعض مقدمات میں حکومت کے کہنے پر تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵۔ سی کا اضافہ کیا گیا۔"

۸) "ایمنسٹی انٹرنیشنل تمام ضمیر کے قیدیوں کی فوری اور بلا شرط رہائی کا مطالبہ کرتی ہے جن کو صرف ان کے مذہبی حقوق کی ادائیگی کی وجہ سے قیدی بنایا گیا۔ نیز ایسے توہین رسالتؐ کے الزامات جو کسی کے عقیدہ کی بنا پر لگائے گئے ہوں، فوری طور پر واپس لیے جائیں۔"

تبصرہ: نکتہ نمبر ۷ میں درج یہ جملہ "ایسی یاد دہانی سرکاری طوری پر احمدیوں کو نہیں کرائی گئی" کوئی گورا عیسائی یا غیر قادیانی لکھ ہی نہیں سکتا۔ ایمنسٹی کی رپورٹ میں قادیانیوں کی عبادت گاہوں کو 'مساجد' لکھا گیا ہے۔ یہی تو اصل وجہِ تنازعہ ہے کہ مرزائی تمام باتوں میں مسلمانوں سے الگ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو 'مسلمان' کہلانے پر بضد اور ان کے شعائر اور اصطلاحات کے استعمال پر مصر ہیں۔ وہ جان بوجھ کر کنفیوژن پھیلانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں مرزائیوں کی 'مساجد' کو مقفل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ان کی عبادت گاہیں کبھی مقفل بھی کی جاتی ہیں، تو اس بنا پر نہیں کہ وہ قادیانیوں کی عبادت گاہیں ہیں۔ وہ محض اس بنا پر مقفل کی جاتی ہیں کہ ان کے دروازے پر 'مسجد' تحریر کیا جاتا ہے جو پاکستانی قانون کی خلاف ورزی ہے۔ پاکستان میں اگر محض قادیانی عبادت گاہ سمجھ کر کسی عمارت کو 'سیل' کیا جاتا تو سب سے پہلے ربوہ کی جامع مسجد اور آج کل لاہور میں ماڈل ٹاؤن، سی بلاک میں قادیانیوں کی پر رونق عبادت گاہ کو ضرور 'سیل' کیا جاتا جہاں ہر جمعہ کو کم از کم ایک ہزار گاڑیاں باہر سڑک پر پارک نظر آتی ہیں۔

مگر ایمنسٹی انٹرنیشنل والوں نے تو صرف اس بات کی جگالی کرنی ہے جو پاکستان کا 'قادیانی' حقوق کمیشن انہیں سپلائی کرتا ہے۔ ایمنسٹی نے اپنی رپورٹ میں قادیانیوں کے خلاف دو ہزار مقدمات کو عدالتوں میں زیر سماعت بتلایا ہے۔ کوئی صاحبِ فہم و فراست اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ تمام مقدمات غلط ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی اس طرح کی رپورٹیں افسانہ ساز، لغو، منفی پراپیگنڈہ اور قادیانی حمایت کا شرمناک مظہر ہوتی ہیں۔ ۲۹۵۔ سی کے خلاف ان کی محاذ آرائی دین اسلام سے ان کی کدورت اور قلبی بغض کی آئینہ دار ہے۔

(۴) آنجہانی بشپ جان جوزف کی قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف مجنونانہ جدوجہد

قانون توہین رسالت ﷺ کی رو سے تمام انبیاءِ کرام کی اہانت قابل تعزیر ہے۔ اس کی زد میں صرف اقلیتی فرقہ کے

لوگ ہی نہیں آتے، اکثریتی فرقہ کے لادین گستاخانِ رسول ﷺ پر بھی بارہا اس قانون کی رو سے مقدمات درج کیے گئے ہیں لیکن مسیحی راہنما اپنے مخصوص عزائم کی تکمیل کے لیے اس قانون کے خلاف غیر ضروری حساسیت اور مجنونانہ انتہاپسندی کا شکار ہیں۔ ان کا ردّعمل حقائق کی بجائے غیر متوازن ہیجان خیزی اور اعصابی تشنج کا مظہر ہے۔ ان کی اس جنون خیزی نے انہیں یورپ میں برق رفتار ہردلعزیزی عطا کی ہے۔ یورپ میں سستی شہرت کا جنون انہیں اپنے ملک میں بعض غیر ضروری مسائل کا واویلا مچانے پر بھی اکساتا رہا ہے۔ اس نوع کے جذباتی مہم جو مسیحی راہنماؤں میں آنجہانی بشپ جان جوزف کا نام سرفہرست ہے۔ ۷؍مئی ۱۹۹۸ء کو انہی بشپ صاحب نے ساہیوال میں ایوب مسیح کی سزا کے خلاف مبینہ طور پر رات کی تاریکی میں سیشن کورٹ کے سامنے خودکشی کا ارتکاب کیا۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں سازش کے تحت قتل کیا گیا تاکہ مسیحیوں کے جذبات بھڑکا کر انہیں مسلم اکثریت سے دیوانہ وار ٹکرانے کیلئے تیار کیا جائے، بعد کے ہنگاموں نے ان خدشات کو درست ثابت کیا۔

بشپ جان جوزف نے یورپ میں قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف ہنگامہ خیز جدوجہد برپا کیے رکھی۔ حسبِ توقع ان کی جدوجہد کو متعصب اہل یورپ نے خاصی پذیرائی بخشی۔ ۱۹۹۵ء کے آخری مہینوں میں انہوں نے جرمنی کی مسیحی تنظیموں کے ساتھ مل کر پاکستان میں قانونِ توہین رسالتؐ کے خاتمہ کے لیے دستخطی مہم چلائی۔ مسیحی رسالہ 'شاداب' جس کی ایڈیٹر مسیحی خاتون کنول فیروز ہیں، کی ۱۶؍جنوری ۱۹۹۶ء کی اشاعت میں بشپ جان جوزف کا ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا "اٹھاسی ہزار جرمنوں کا ۲۹۵۔ سی کے خاتمہ کا مطالبہ"۔ اس مضمون میں بشپ صاحب نے بڑے فخریہ انداز میں اس دستخطی مہم کی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے جرمنی میں متعین پاکستان کے سفیر جنرل درّانی صاحب کو کس طرح ننگی کا ناچ نچایا۔ بشپ جان جوزف کے مذکورہ مضمون سے چند اقتباسات قارئین کی دلچسپی کے لیے نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) "حال ہی میں میسو آخن (مسیحی امدادی انجمن) کی راہنمائی میں ایک مہم کا آغاز ہوا جس میں توہین رسالتؐ ۲۹۵۔ سی میں لازمی سزائے موت کے خاتمے کے لیے لوگوں سے دستخط اکٹھے کیے گئے۔ چند ہی ماہ میں جرمنی کے تمام علاقوں سے تقریباً اٹھاسی ہزار دستخط جمع ہوگئے۔ میسو آخن نے جمعرات ۱۴؍دسمبر ۱۹۹۵ء کو صبح دس بجے جرمنی کے دارالخلافہ بون کے پریس کلب میں دستخط سپرد کرنے کی تقریب کا اہتمام کیا۔"

(۲) "جرمنی کے معاون وزیر خارجہ نے دستخط کے موٹے موٹے دستے پاکستانی سفیر اسد درانی کے سپرد کیے۔ پاکستانی سفیر نے اپنا تحریری بیان پڑھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی مرضی اور خوشی سے نہیں آئے کہ ۲۹۵۔ سی کے خلاف دستخطوں کی اتنی بڑی دستاویز وصول کریں...... آخر میں انہوں نے تنبیہ کرنے کے لہجے میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ "مجھے آپ کو خبردار کرنا ہے کہ اگر آپ مسیحی برادری کی حمایت کرتے ہیں تو آپ کو دوسری برادری کے ردِعمل یعنی جوابی حملے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے"

(۳) "اس کا کیا کیا جائے کہ اس قانون سے نہ صرف مسیحی اور احمدی پریشان ہیں بلکہ خود مسلمان بھی اس سے پریشان ہیں۔ کئی شرمناک اور افسوسناک واقعات ایسے بھی ہوئے ہیں، جہاں معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کو گستاخِ رسول کا الزام لگا کر ان پر تشدد کیا گیا یا پھر سنگسار کردیا گیا اور ان کے بدن پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگادی گئی۔"

(۴) "ستمبر ۱۹۹۵ء میں سکھر میں جو واقعہ ایک مسیحی نوعمر بچی کے ساتھ ہوا، وہ ہمارے لیے بہت بڑا دھچکا ہے۔ کیرل شکیل (۱۴ سالہ مسیحی بچی) نے امتحانی پرچہ میں کچھ تحریر کیا جو اس کی مسلم استانی کے نزدیک حضور ﷺ کی شان کے خلاف تھا۔ اس واقعہ کو مسجد کے لاؤڈ سپیکرز کی مدد سے گردونواح میں پھیلادیا گیا اور ۲۵۰ مولوی حضرات نے دستخط کرکے یہ اعلان کردیا کہ اس لڑکی کو قتل کردیا جائے یا پھر اس کے بچاؤ کا واحد رستہ ہے کہ یہ مسلمان ہوجائے...... اور اسے مسلمان ہونا پڑا"

(۵) "گذشتہ سال (۱۹۹۴ء) پاکستان کے صدر فاروق احمد لغاری نے اعلان کیا کہ آئندہ پولیس کے پاس یہ اختیارات نہیں ہوں گے کہ وہ خود گستاخِ رسول کے کسی بھی ملزم کو گرفتار کرے، مدعی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تک رسائی کرے جو بعد میں ابتدائی پوچھ گچھ کے بعد پولیس کو اختیار دے گا کہ وہ معاملہ میں دخل اندازی کر سکے۔"

قارئین کرام! آپ خود اندازہ فرمائیے قانونِ توہین رسالتؐ کو ختم کرانے کے لیے کس قدر من گھڑت قصے، مبالغہ میز افسانے اور عجوبہ روزگار جھوٹ، اشتعال انگیز افتراپردازیاں اور لغو کہانیاں گھڑی گئیں۔ بشپ صاحب اگر زندہ ہوتے تو ان سے دریافت کیا جاسکتا تھا کہ پاکستان کے وہ کون سے مسلمان ہیں جنہیں قانونِ توہین رسالتؐ کے 'جرم' کی پاداش میں 'سنگسار' کیا گیا یا ان کے بدن پر 'مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگادی گئی'؟ پاکستان کے حالات سے واقف کوئی بھی شخص اس من گھڑت دروغ گوئی پر یقین نہیں کرے گا۔ لیکن صلیبی کینہ کا شکار اہل یورپ تو بڑے اشتیاق سے ایسے افسانوں کو سنتے ہیں اور ان پر 'ایمان' لے آتے ہیں۔

بشپ صاحب خاصے زرخیز ذہن کے مالک تھے، جس فنکارانہ چابکدستی سے انہوں نے نوعمر مسیحی بچی کو زبردستی مسلمان کرانے کا افسانہ تخلیق کیا وہ انہی کا کمال تھا۔ اس طرح کے 'تخلیقی شہ پاروں' سے ہی مسیحی یورپ کے ذہن کو متاثر کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے ایک شہر سکھر میں تھوڑی ہی دیر میں ۲۵۰ مولوی حضرات کو آخر کس طرح جمع کیا جاسکتا ہے؟ اگر اس معمولی واقعہ پر ۲۵۰ مولوی جمع ہوسکتے ہیں، تو عام یورپی فرد تو یہی سمجھتا ہوگا کہ بڑے واقعات میں ہزاروں مولوی جمع ہو کر مسیحی عوام پر ظلم وستم ڈھاتے ہوں گے۔ بشپ جان جوزف جیسے مسیحی راہنماؤں کے اسی مذموم اور منفی پراپیگنڈہ کا نتیجہ ہی ہے کہ امریکہ اور یورپ کی حکومتیں مسلسل پاکستان پر توہین رسالت ﷺ کا قانون ختم کرنے کے لیے دباؤ ڈالتی رہتی ہیں۔

آنجہانی بشپ جان جوزف نے یورپ میں اپنی 'فتوحات' سے شہ پاکر پاکستان میں اپنی جدوجہد کو مزید تیز کردیا۔ اب روز کے جلسے جلوس ان کا معمول بن گیا اور یورپ میں اپنی پذیرائی دیکھنے کے بعد وہ پاکستانی حکام کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان کی تقاریر میں زہریلا پن اور ان کا لب ولہجہ بے حد اشتعال انگیز اور توہین آمیز ہوتا گیا۔ ۱۱/ اگست ۱۹۹۵ء کو اسلام آباد میں انہوں نے ایک ریلی سے بے حد جذباتی اور باغیانہ انداز میں خطاب کیا، جس پر انہیں بغاوت کے الزام کے تحت گرفتار کرلیا گیا مگر جلد ہی مغربی ممالک کی مداخلت کی وجہ سے انہیں رہا کردیا گیا۔

فیصل آباد سے نکلنے والے ایک مسیحی ماہنامہ 'مکاشفہ' کی اگست ۱۹۹۶ء کی اشاعت میں بشپ جان جوزف کا انٹرویو شائع ہوا جس میں انہوں نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"میں سمجھتا ہوں کہ عملی طور پر ۲۹۵۔ سی کے قانون میں ترمیم ہوچکی ہے۔ اگرچہ اس کا ابھی تک کوئی نوٹیفکیشن جاری نہیں ہوا۔ ترمیم کے ثبوت ہمیں ملے ہیں۔ صدر پاکستان نے جو وعدہ کیا تھا وہ زبانی طور پر ملک کے تمام ڈپٹی کمشنروں کو پہنچا دیا گیا ہے۔ کیونکہ جب سکھر میں ایک چودہ سالہ لڑکی پر توہین رسالتؐ کا الزام لگایا گیا تو وہاں کے ڈی۔ سی نے پرچہ نہ ہونے دیا۔ لاہور میں ایک مسیحی پر الزام لگا کہ اس نے مسجد میں ایک خط پھینکا ہے، پرچہ وہاں بھی درج نہیں ہوا تھا..... حال ہی میں کمالیہ میں ایک مسیحی لیکچرار پر گستاخی رسول کا الزام لگایا گیا ہے..... لیکن خوش قسمتی سے وہ لیکچرار بچ نکلا ہے اور چھپا ہوا ہے۔ وہاں کا ڈی۔ سی بھی پرچہ نہیں درج کر رہا..... مجھے پورا یقین ہے کہ یہ قانون ختم ہوجائے گا کیونکہ ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ملک کے اندر اور ملک کے باہر ہر وہ قانونی حربہ استعمال کریں گے جس سے انتہا پسندوں کی چیخیں نکل جائیں گی۔ آپ نے دیکھا کہ جرمنی میں پاکستانی سفیر چلا اُٹھا تھا کہ جرمن لوگوں نے گستاخیٔ رسول ﷺ قانون کے خاتمہ کے لیے ۹۰ ہزار دستخط کس طرح پاکستانی سفارت خانے میں پہنچائے ہیں۔"

بشپ صاحب کا یہ بیان چشم کشا ہے..... اس سے یہ نتائج اَخذ کیے جاسکتے ہیں:

(۱) ۱۹۹۴ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے عوامی دباؤ کے خوف اور اپوزیشن کی مخالفت کے پیش نظر پارلیمنٹ سے تو اس قانون کو تبدیل نہ کرایا لیکن عملاً صدارتی ہدایات کے ذریعے سے توہین رسالتؐ کے قانون پر عملدر آمد کو معطل کر دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے صدر پاکستان اور حکومت کی مسیحی برادری سے خفیہ 'ڈیل' ہوئی تھی جس میں انہیں یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ وہ بے فکر رہیں، مناسب وقت پر اس قانون کو واپس لے لیا جائے گا۔

(۲) اہل حکمت کہتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اور جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا۔ بشپ جان جوزف جنوری ۱۹۹۶ء میں اپنے مضمون میں تحریر کر چکے تھے کہ سکھر کی ۱۴ سالہ لڑکی کو ۲۵۰ مولویوں کے دباؤ کے نتیجے میں 'مسلمان' بننے پر مجبور ہونا پڑا۔ مگر اگست ۹۶ء میں اپنے مذکورہ انٹرویو میں وہ حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے کہہ گئے کہ سکھر کے DC نے اس لڑکی کے خلاف پرچہ درج نہ ہونے دیا۔ جس بچی کی حفاظت اس ضلع کا ڈپٹی کمشنر کر رہا ہو، اسے زبردستی مسلمان کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ یہ سوچنا اسطرح کے افتراء بازوں کا کام نہیں ہے۔ وہ تو محض واقعات گھڑنے کے ماہر ہیں تاکہ اپنے مذموم اہداف کو پورا کر سکیں۔

(۳) بشپ صاحب کے بیان سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت کی ہدایات کے زیر اثر ضلعی انتظامیہ ایسے افراد کو بھی حراست میں لینے سے گریز کر رہی تھی جو عملاً قانونِ توہین رسالت کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے تھے۔

(۴) بے حد تعجب کا مقام ہے کہ بشپ جان جوزف جیسے ناقدین قانونِ توہین رسالتؐ کے بے ربط اور خود تردیدی Self Contradictory بیانات کا معروضی جائزہ لینے کی بجائے ان کو درست سمجھ لیا گیا اور اس ضمن میں پاکستان کی ۹۷ فیصد آبادی کے جذبات کا قطعاً کوئی خیال نہ رکھا گیا۔

(۵) جیمس صوبے خان کی مسیحی تنظیموں کے خلاف فردِ جرم

ایک کرپٹ اور بدعنوان ٹولہ کس طرح پاکستان کی عیسائی اقلیت کا استحصال کر رہا ہے اور اقلیتوں کے حقوق کی آڑ میں کس درجہ گھناؤنے جرائم میں ملوث ہے، اس کا پول حال ہی میں ایک محبِ وطن عیسائی راہنما جناب جیمس صوبے خان نے بے حد واشگاف الفاظ میں کھولا ہے۔ جیمس صوبے خان "پاکستان نیشنل کرسچین لیگ" کے صدر ہیں، عیسائی کمیونٹی میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ مجلہ "الدعوۃ" نے جنوری ۱۹۹۹ء کی اشاعت میں جیمس صوبے خان کے پیش کردہ حقائق اور دستاویزی ثبوت کی بنیاد پر ایک مفصل رپورٹ شائع کی ہے، جیمس صوبے خان کی ہوشربا رپورٹ کے یہاں اہم نکات درج کیے جاتے ہیں:

(۱) "میں (صوبہ خان) عرصہ ۳۵ سال سے ملک و ملت کی ترقی و خوشحالی، نظریۂ پاکستان اور قومی سلامتی کے تحفظ میں ہمہ تن مصروف ہوں۔ میں غیر ملکی چرچ، مشنری تنظیموں اور اداروں کی بدعنوانیوں، بے ضابطگیوں، ریشہ دوانیوں، مسیحی جائیدادوں کی ناجائز فروختگی اور غریب مسیحی عوام کی امداد کے نام پر ہر طرح کی لوٹ مار کرنے والے غیر ملکی مفاد پرست ٹولے اور ان کی پالتو نام نہاد تنظیموں کے آلہ کاروں کے خلاف بھرپور جدوجہد کر رہا ہوں۔"

(۲) "قیامِ پاکستان کے بعد انتقالِ اقتدار کے ایکٹ کے تحت ان تنظیموں اور اداروں پر غیر ملکی تسلط اور مداخلت برقرار رکھنا آزادیٔ وطن کی توہین ہے۔"

(۳) "فیصل آباد کے پنجابی بشپ جان جوزف کی ہلاکت کا معمہ ابھی تک حل نہیں ہوا جب کہ اس کی جگہ تامل ناڈو کا بشپ بنایا گیا۔ غیر ملکی مفاد پرست ٹولے نے اسے خودکشی بنا کر مسیحی برادری کے لیے قربانی قرار دیا اور جلسے جلوسوں میں توڑ پھوڑ کروا کر عالمی سطح پر حکومت اور مسیحی برادری کو خوب بدنام کیا اور ملک میں بدامنی اور انتشار کو فروغ دیا۔ غرضیکہ ملک بھر میں جس چرچ اور تنظیم پر نظر ڈالیں تو اندر سے کچھ اور ہی ہوگی۔"

(۴) "نیشنل کرسچین کونسل پاکستان" ۳۲ ربی، فاطمہ جناح روڈ، لاہور پر اسرار چرچ تنظیموں کا متحدہ ادارہ ہے جو انتہائی پر اسرار ہے۔YMCA بھی پراسرار سرگرمیوں کی بنا پر تباہ حال ہے۔ گویا یہ سب تنظیمیں اور ادارے غیر ملکی مفاد پرست تنظیمیں ہیں"

(۵) "کتنی شرمناک بات ہے کہ مسیحیوں کے خلاف اِکا دُکا واقعات کو اچھالنے، ملک میں بدامنی اور انتشار پھیلانے، حکومت اور مسیحی برادری کو عالمی سطح پر بدنام کرنے میں یہ لوگ کتنی مہارت رکھتے ہیں لیکن مسیحی برادری کی فلاح و بہبود پر توجہ نہیں دیتے جو ان کے اصل فرائض ہیں۔ ان کی پالتو تنظیموں کے چند آلہ کار شرپسند عناصر اکا دکا واقعات کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جس طرح گدھ مردار کو ڈھونڈتی ہے۔"

(۶) "سیاسی، سماجی، انسانی حقوق کی تنظیمیں اور NGOs پاکستان میں جاسوسی کے اڈے ہیں"

(۷) "سینٹ انتھونی اسکول، لارنس روڈ کے پرنسپل سسل چوہدری نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کی ہدایت پر اپنی ایک پالتو نام نہاد سیاسی تنظیم بنام "کرسچین لبریشن فرنٹ" بنائی۔ اس کے ذریعے سے مسیحیوں کو حقوق کے نام پر ملک کی سلامتی کے خلاف اکسایا جارہا ہے۔"

(۸) "پاکستان میں NGOs کی نام نہاد تنظیمیں انسانی حقوق کی آڑ میں غیر ممالک سے سرمایہ حاصل کر کے غلط رپورٹیں تیار کرتی ہیں۔

(۹) "توہین رسالت ﷺ کے مشہور مقتول ملزم منظور مسیح کو بھی انہوں نے قتل کروایا۔ پھر دوسرے ملزمان رحمت مسیح اور سلامت مسیح کے جلوسوں کی فوٹو اور ویڈیو فلمیں بنا کر بشپ سموئیل عذرایا بمعہ اپنی بیوی خوشنود وکٹر عذرایا اور دیگر ایسے لوگ غیر ممالک گئے اور اس واقعہ کو غلط رنگ دے کر ملک کو بدنام کیا اور سرمایہ حاصل کیا۔

(۱۰) انسانی حقوق کمیشن کی چیئرپرسن عاصمہ جہانگیر اور بشپ سموئیل رابرٹ عذرایا کا پالتو جوزف فرانسس سات افراد کی ٹیم لیکر نوشہرہ گیا اور وہاں کے مسیحی خاندان کے نوافراد کے قتل کی تحقیقات کیلئے دو لاکھ ڈالر حاصل کیے۔

(۱۱) "کیتھڈرل سکولوں کے کوارڈی نیٹر کرنل (ر) کے ایم رائے نے بشپ الیگزنڈر ملک، کیتھڈرل سکول کے پرنسپل ماسٹر یوسف جلال اور کنول فیروز وغیرہ سے مل کر "پنجاب ریلیجس سوسائٹی" کی کروڑوں کی جائیداد فروخت کرکے دولت کمائی۔"

(۱۲) "بشپ الیگزنڈر ملک نے ٹورنٹو (کینیڈا) میں سنگ مرمر کا عالیشان محل وائٹ ہاؤس کے نام سے تعمیر کروالیا ہے۔ راولپنڈی میں ایک نام نہاد ادارے کے نام پر کروڑوں ڈالر حاصل کئے۔ لاہور وولٹن روڈ پر واقع مندروں کے ایک اور نام نہاد ادارہ کے نام پر کروڑوں ڈالر حاصل کر کے ہضم کیے"۔

(۱۳) "بشپ سموئیل رابرٹ عذرایا نے مختلف نام نہاد فلاحی تنظیموں کے نام پر امریکہ، جاپان اور دیگر ممالک سے کروڑوں ڈالر حاصل کئے اور خود ہضم کر لئے۔ جبکہ اس کا باپ جان بنیان عذرایا کراچی میں چائے کا سیل مین تھا۔ چرچ ورلڈ ڈویژن نیویارک کی آڈٹ رپورٹ کے مطابق، بشپ عذرایا نے پندرہ کروڑ روپے کا گھپلا کیا"۔

(۱۴) "ملک کا قانون کوئی بھی ہو، قانون شکنی اور اس کے خلاف بغاوت کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔ بشپ عذرایا لاقانونیت کا ماہر استاد ہے۔ مسیحیوں کے خلاف اکادکا واقعات کے حقائق کو مسخ کر کے اشتعال دلانا، پھر ہنگامہ آرائی کروانا اس کی سرشت ہے۔ بشپ عذرایا نے توہین رسالتؐ کے مشہور مقتول ملزم منظور مسیح کے قتل میں اہم کردار ادا کیا۔ میری اطلاع کے مطابق اس کی پالتو تنظیموں کے آلہ کار ساتھیوں میں جوزف فرانسس، یونس راہی، نعیم شاکر ایڈووکیٹ، سلیم سلوسٹر، کنول فیروز، ماسٹر یوسف جلال اور ڈیوڈ عرفان وغیرہ شامل ہیں۔ اس ٹولے نے قتل کے روز ملزمان منظور مسیح، سلامت مسیح، اور

جمعیت مسیح کو طے شدہ پروگرام کے مطابق نعیم شاکر کے دفتر ۹ ٹرنر روڈ سے پولیس کی حفاظت کے بغیر پیدل روانہ کیا اور قاتلوں کو اُن کے پیچھے لگادیا۔ پھر قتل کی اس اصل واردات کو چھپانے اور اس کے حقائق کو مسخ کرنے کیلئے جوزف فرانسس کو مدعی بنایا گیا۔ جس نے غلط رنگ دے کر تھانہ مزنگ میں مقدمہ درج کروایا اور اس واقعہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں رکھی اور اندرون و بیرونِ ملک خوب اچھالا۔ اس واقعہ کو غیر ممالک سے کیش کرواکر خوب ڈالر کمائے اور امیر شخص بن گیا۔ جوزف فرانسس نے جرمنی اور دیگر ممالک کے دوروں میں لاکھوں ڈالر اور پونڈ حاصل کر کے ہضم کر لئے۔"

(۱۵) "دیگر مسیحی تنظیموں نے بھی سانحہ شانتی نگر اور بشپ جان جوزف کی ہلاکت کے نام پر خوب چاندی بنائی"

(۱۶) "حکومت کو چاہئے کہ بشپ سموئیل عذرایا، بورڈ ممبران اور پالتو آلہ کاروں کے خلاف سنگین جرائم کے ارتکاب میں مقدمات درج کر کے ان کا کڑا احتساب کیا جائے۔ بشپ جان الیگزینڈر ملک، اس کے ساتھیوں، متذکرہ سب تنظیموں اور اداروں اور ان کے پالتو آلہ کاروں کے خلاف فوری کاروائی کی جائے۔ اعلیٰ سطح کی چھان بین کی جائے کہ ان کو کہاں سے کتنا اور کیسے سرمایہ حاصل ہوا۔ ان کی دولت اور اثاثے منجمد کیے جائیں۔"

دیگر مسیحیوں کے بیانات: یہ صرف جیمس صوبہ خان کے خیالات ہی نہیں ہیں، بہت سے دیگر مسیحی راہنما بھی اس "مسیحی لوٹ مار مافیا" سے اسی طرح شاکی ہیں۔ کرسچین نیشنل کونسل کے چیئرمین معروف مسیحی راہنما سیلاس گاؤڈن نے اس مافیا کی ملک دشمن سرگرمیوں پر چند ماہ پہلے تنقید کرتے ہوئے کہا :

> "C-295 کو کالا قانون اور لٹکتی تلوار کا نام دے کر مخصوص گروہ درپردہ عزائم کی خاطر عالمی سطح پر پاکستان کے وقار کو مجروح کررہا ہے۔ پنجاب کے علاوہ دیگر تین صوبوں میں اس دفعہ کے تحت کوئی مقدمہ درج نہیں ہوا۔ اکثر مقدمات صرف فیصل آباد کا تھولک ڈایوسس میں درج ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ مخصوص گروہ چند ڈالروں کی خاطر اپنے وطن کو عالمی سطح پر بدنام کررہا ہے۔ آج تک کسی غیر مسیح کے خلاف مقدمہ درج نہیں ہوا، یہ گروہ یہ بات ثابت کر کے باہر سے سرمایہ منگواتا ہے۔ مقدمے کے اندراج اور نچلی سطح پر خاموشی کے بعد مقدمہ ہائی کورٹ تک لے جایا جاتا ہے اور پھر اقلیتی کانفرنس، جلسے جلوس، بیان بازی اور پوسٹرز کے ذریعے عالمی سطح پر پاکستان کے خلاف پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ گرانٹ لینے کے بعد مقدمے میں ملوث شخص کے اہل خانہ کو کچھ نہیں دیا جاتا، پچھلے دنوں ۱۵ ر لاکھ ڈالر حاصل کئے گئے۔ یہ منظم گروہ ویڈیو فلمیں بھی بھیجتا ہے اور غیر ملکی مشنری اداروں اور NGOs سے بھاری رقوم منگواتا ہے اور اس گروہ نے مسلم مسیحی امن کونسل بھی بنا رکھی ہے مگر عملاً مسلم علمائے دین کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی جاتی ہیں۔ اگر اعلیٰ سطح پر تحقیقات کرائی جائیں تو سنسنی خیز انکشافات سامنے آسکتے ہیں۔ (حوالہ مسیحی ماہنامہ "نئی دنیا" لاہور، اگست، ستمبر ۹۸ء، جلد ۱۰، شمارہ ۷)

حکومتِ پاکستان کو ان لٹیرے افراد کی ہاہاکار سے متاثر ہونے کی بجائے جناب سیلاس گاؤڈن کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے ان کے خلاف تحقیقات کرانی چاہئیں۔ دو چار لٹیروں پر ہاتھ پڑ گیا تو وہ قانون توہین رسالتؐ کے خلاف بیانات کا وِرد بھول جائیں گے اور انکی ساری چالت پھرت رفوچکر ہو جائے گی۔

محبِ وطن مسیحی راہنماؤں کی اس واضح شہادت کے بعد کیا کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ قانونِ توہین رسالت کے خلاف ہنگامہ آرائی ایک بین الاقوامی سازش ہے؟ یہ کوئی مسیحی مذہبی مسئلہ نہیں ہے، یہ دراصل پاکستان میں ڈالروں کے سیلاب کا منطقی نتیجہ ہے۔ ایک مخصوص مسیحی مافیا جو بقول جیمس صوبے خان "مردار ڈھونڈنے والے گدھ ہیں" پاکستان میں فساد اور انتشار برپا کرنے کی گھناؤنی وطن دشمن کاروائیوں میں مصروف ہے۔ ان کی فسادی سرگرمیوں کی سرکوبی ملکی سالمیت اور وطن عزیز میں مستقل قیامِ امن کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ وقت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ حکومت پاکستان مسلمان اکثریت کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کی بجائے اس غیر ملکی سرمائے کے زور پر متحرک مسیحی مافیا کے ہاتھوں

'بلیک میل' نہ ہو۔ اس مکروہ مافیا کی سرگرمیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہی دراصل سارے انتشار کا حل ہے۔ مسلمان اکثریت مسیحیوں سے ہمیشہ رواداری کا برتاؤ کرتی آرہی ہے، اسے خواہ مخواہ مطعون نہ ٹھہرایا جائے۔ وسیع پیمانے پر کرپشن میں ملوث مذکورہ بالا نام نہاد مسیحی لیڈروں کے خلاف فوری قانونی اقدامات کئے جائیں۔ نہایت تعجب ہے کہ حکومت پاکستان نے اب تک انہیں کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے؟ کیا یہ لوگ محض مغربی ممالک کے منظورِ نظر اور ایجنٹ ہونے کی بنا پر پاکستان میں 'قانون سے بالاتر' ہستیاں بنادی گئی ہیں؟

(۶) بلاجواز مسیحی ردِّ عمل ...... چند واقعات

عیسائی پاکستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں، جن کی کل آبادی تقریباً ۱۵ لاکھ ہے۔ پاکستانی عیسائیوں کی اکثریت پر امن طریقے سے رہ رہی ہے۔ وہ اپنے مذہبی معاملات میں مکمل آزادی سے لطف اندوز ہورہے ہیں، لیکن ایک مفاد پرست ٹولہ مغربی مسیحی تنظیموں سے فنڈز کی بازیابی اور پاکستانی قادیانیوں کے گٹھ جوڑ سے بلاجواز شر انگیزی میں مبتلا ہے۔ ذیل میں حالیہ برسوں میں وقوع پذیر ہونے والے چند واقعات بیان کئے گئے ہیں، جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شرپسند مٹھی بھر ٹولہ کا ردّعمل کس قدر جذباتی، نامعقول اور غیر حقیقت پسندانہ رہا ہے :

(۱) سلامت مسیح، رحمت مسیح کیس: مئی ۱۹۹۳ء میں گوجرانوالہ کے ایک نواحی گاؤں (رتہ دوہتڑ) میں رحمت مسیح، منظور مسیح اور سلامت مسیح نے جامع مسجد کی بیت الخلا میں ایسی پرچیاں پھینکیں جن پر حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخانہ جملے لکھے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے مسجد کی لیٹرین کی اندرونی دیوار اور مقامی سکول کی بیرونی دیوار پر بھی نبی کریم ﷺ کے خلاف توہین آمیز کلمات لکھے پائے گئے۔ مسجد کے پیش امام مولانا فضل الحق کی شکایت پر ان کے خلاف مقدمہ درج ہوگیا۔ سیشن کورٹ گوجرانوالہ نے تمام شہادتوں کا مفصل جائزہ لینے کے بعد ملزموں کو سزائے موت سنائی۔ سزا کا فیصلہ ہوتے ہی انسانی حقوق کی تنظیموں اور مسیحی این جی اوز کے شرپسندوں نے طوفانِ بدتمیزی برپا کردیا۔ مغربی ذرائع ابلاغ میں اس کیس کو اُچھالا گیا۔ عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی موقع پاتے ہی اس مہم جوئی میں کود پڑیں اور اس کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ چند مسیحی راہنماؤں ڈاکٹر شیلابی چارلس، بشپ جان جوزف، فرانسس جوزف، فادر جولیس وغیرہ نے علاقہ میں آئے روز احتجاجی جلسے منعقد کرکے ایک بھونچال کی سی کیفیت پیدا کردی۔ تنخواہ دار صحافیوں کے ذریعے اخبارات میں منفی پراپیگنڈہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کردیا گیا۔ سی این این، بی بی سی، وائس آف امریکہ اور دیگر مغربی ذرائع ابلاغ نے اس کیس کو 'مسیحیوں پر ظلم و ستم کی مثال' بنا کر پیش کیا۔ امریکی وزارتِ خارجہ، جرمن حکومت اور ایمنسٹی انٹرنیشنل نے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ ملزمان کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔ ذرائع ابلاغ کے پراپیگنڈہ کا حکومت پر یہ اثر ہوا کہ وزیراعظم پاکستان بینظیر بھٹو مسیحی اقلیت سے 'یکجہتی' کے اظہار کیلئے گوجرانوالہ خود تشریف لے گئیں۔ انہوں نے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> "توہین رسالت کے مجرموں کو سزا دینے کے فیصلہ پر میں ذاتی طور پر ناخوش ہوں۔ عدالت کے فیصلہ پر مجھے حیرت بھی ہوئی ہے اور دکھ بھی"

لاہور ہائیکورٹ میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کی گئی۔ جسٹس عارف اقبال بھٹی اور جسٹس خورشید احمد (پیپلز پارٹی کے سابق راہنما) نے اس اپیل کو سنا۔ ہائی کورٹ میں کیس کی سماعت کے دوران عاصمہ جہانگیر کی قیادت میں مسیحی جنونیوں نے "پریس ٹرائل" بھی جاری رکھا۔ پاکستانی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں وہ ہڑبونگ مچایا گیا کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ شاید پاکستان کی مسیحی آبادی کی ایک کثیر تعداد کو تہِ تیغ کردیا گیا ہو۔ چند ہی دنوں میں ہائی کورٹ نے ملزمان کو رہا کردیا۔ اس مقدمہ کے مدعی مولوی فضل حق کے ساتھ جو بیتی، وہ ایک الم ناک کہانی ہے۔ انہیں پولیس گھر سے اغوا کرکے لے آئی۔ اخبارات کے

مطابق انہیں چیف سیکرٹری پنجاب کے گھر محبوس رکھا گیا اور ان پر شدید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اس مقدمہ سے اپنی دستبرداری کا اعلان کریں۔ دوسرے دن انہیں ہائی کورٹ میں پیش کرکے انتہائی دباؤ کے عالم میں اپنی مرضی کا بیان ریکارڈ کروایا گیا۔ راقم الحروف نے مقدمہ کی سماعت کے دوران امریکی قونصلیٹ جنرل کی ایک سینئر خاتون افسر کو عدالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ عاصمہ جہانگیر کے نام نہاد انسانی حقوق کمیشن نے جب اس مقدمہ کے ملزمان کی رہائی کے لئے مال روڈ پر جلوس نکالا، تو یہ امریکی خاتون اس جلوس کے ساتھ سڑک کی راہداری پر آہستہ آہستہ چلتی جارہی تھیں۔ گوجرانوالہ کے جید علماء کی ایک نہ سنی گئی۔ گوجرانوالہ کے معروف عالم مولانا زاہد الراشدی نے بعد میں اپنے رسالہ 'الشریعہ' میں تحریر کیا کہ ہم نے ایک مشترکہ کمیٹی تشکیل دے کر اس کیس کی دوبارہ تفتیش کی پیش کش کی تھی اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا مگر ہماری بات کسی نے نہ سنی اور نہ ہی ہمیں اس مقدمہ میں فریق بننے کی اجازت دی گئی۔ این جی اوز تو اُودھم مچائے ہوئے تھیں کہ یہ مقدمہ ذاتی رنجش کی بنا پر غلط قائم کیا گیا ہے۔ ادھر سلامت مسیح کے چچا کراچی سے بار بار مقامی مسلمان بزرگوں کو خط لکھ رہے تھے کہ "بچوں سے غلطی ہوگئی ہے آپ معاف کردیں۔ آئندہ ہم ذمہ داری لیتے ہیں"۔ یہ خطوط بعد میں چند رسالوں نے شائع بھی کئے۔ مگر ہیجانی پراپیگنڈہ کے غبار میں حقائق کو اس طرح اُڑا دیا گیا کہ سارا معاملہ ہی غتر بود ہوگیا۔ بعد میں سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو آناً فاناً وی آئی پی کا درجہ دے کر ملک سے فرار کرادیا گیا۔ ڈاکٹر جان جوزف، بشپ فیصل آباد، جو سلامت مسیح کیس کو 'جنگ وجدل' کا روپ دیتے رہے تھے، نے بعد میں اپنے ایک مضمون "۲۹۵سی کو روکنا منع ہے" میں اپنی اس 'عظیم کامیابی' پر یوں تبصرہ کیا:

> "گستاخِ رسول کے ایک ملزم منظور مسیح کے قتل پر ہم نے اتنا احتجاج کیا کہ اس کی آواز تمام دنیا میں گونج اُٹھی۔ اس احتجاج اور بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے پاکستانی حکومت نے ہماری آواز پر دھیان دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گل مسیح، سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو نہ صرف موت کی سزا سے آزاد کردیا گیا بلکہ ان کو محفوظ پناہ گاہ بھی مہیا کردی گئی۔ (عیسائی جریدہ 'کیتھولک نقیب' یکم نومبر ۱۹۹۵ء)

(۲) شانتی نگر کا واقعہ: ۱۹۹۶ء میں شانتی نگر (خانیوال) کا واقعہ بھی پورے عالم کے مسیحی ذرائع ابلاغ کے نیٹ ورک کی غیر معمولی توجہ کا باعث بنا رہا۔ لاہور، اسلام آباد، فیصل آباد اور کراچی سے انسانی حقوق کی تنظیمیں اور یورپ کے سرمائے سے چلنے والے مسیحی اداروں نے بہت جلد ہی شانتی نگر کو اپنے 'گھیرے' میں لے لیا۔ پاکستان میں غیر ملکی ذرائع اَبلاغ کے نمائندے بھی بے حد برق رفتاری سے وہاں جمع ہوگئے اور انہوں نے دھڑا دھڑ خبریں، تصاویر، اور ویڈیو فلم بنا کر اپنے ہیڈ آفس میں بھجوانا شروع کردیں۔ سی این این ہر آدھے گھنٹہ بعد اس واقعہ کی تازہ بہ تازہ رپورٹ اُچھالتا رہا۔ حسب معمول امریکہ اور یورپ کے سیاستدانوں کے بیانات آنا شروع ہوگئے۔ مغربی ذرائع اَبلاغ نے حکومت پاکستان کو اس قدر Unnerve (حواس باختہ) کیا کہ خود وزیر اعظم پاکستان کو دو مرتبہ بنفس نفیس شانتی نگر جانا پڑا۔ حکومت پنجاب نے فوری اور ہنگامی بنیادوں پر ان ہنگاموں کو ختم کرنے کیلئے اقدامات کئے۔ عاصمہ جہانگیر کے انسانی حقوق کمیشن اور دیگر این جی اوز کی "خوش بختی" جاگ اُٹھی، بڑی دیر کے بعد ایسا 'نادر' موقع ان کے ہاتھ آیا تھا کہ جس کو وہ اپنے مفادات کے لئے استعمال کرسکتے تھے۔ یورپ والے بھی اس طرح کی معلومات کے حصول کے لئے بے چین تھے جنہیں پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے استعمال میں لایا جاسکے۔ امریکہ اور یورپ سے ایک دفعہ پھر شانتی نگر کے متاثرین کے لئے پاکستانی NGOs بالخصوص مسیحی اداروں کو کروڑوں ڈالر بھجوائے گئے۔ ضلعی انتظامیہ خانیوال کی شامت آئی ہوئی تھی۔ وہ ہر ممکن تعاون کررہی تھی مگر پھر بھی اس پر دباؤ ڈالا جارہا تھا۔ راقم الحروف کو خانیوال کے بعض معتبر افراد اور ضلعی انتظامیہ کے ارکان سے واقعہ شانتی نگر کے اسباب اور بعد کی صورتحال پر مفصل تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ بلاشبہ اس واقعہ کے ذمہ دار بعض جنونی مسیحیوں کے علاوہ کچھ پولیس اہلکار بھی تھے۔ جنہوں نے منشیات کے چند ملزموں کو گرفتار کرنے میں احتیاط کا دامن ملحوظ خاطر نہ رکھا۔ مگر یہ معمولی درجہ کی لغزش تھی، اس

واقعہ کو شروع میں کنٹرول کیا جاسکتا تھا۔ شانتی نگر کے واقعہ کے بعد بعض لوگوں نے یہ بھی رپورٹ کیا کہ بعض NGOs کے افراد نے شانتی نگر کے مکینوں کو اپنے کچے گھریا جھونپڑے خود گرانے پر بھی اکسایا تاکہ اس کی تصویریں بنا کر یورپ بھیجی جا سکیں، یورپ والے ان تباہ کن گھروں کو دیکھ کر ہی کروڑوں ڈالر بھجوا سکتے تھے۔ "موقع پرست" مسیحی تنظیمیں اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئیں، انہوں نے کروڑوں ڈالر وصول کیے۔ مگر ان کا کس طرح استعمال کیا وہ آپ انہی صفحات میں ایک مسیحی راہنما کی صوبے خان کی زبانی پڑھ چکے ہیں، حکومت پاکستان نے بھی بیرون ملک کے دباؤ سے متاثر ہو کر، ایک اطلاع کے مطابق تین کروڑ روپے شانتی نگر کے متاثرین کی 'بحالی' کے لئے خرچ کیے۔

(۳) **وزیراعظم میاں نواز شریف کے بیان کی مذمت:** ۷ر اکتوبر ۱۹۹۷ء کو روزنامہ 'جنگ' نے ایک خبر شائع کی جس کا شاید بہت کم لوگوں نے نوٹس لیا ہو۔ مگر یہ بظاہر معمولی سی خبر چونکا دینے والی تھی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گذشتہ چند برسوں میں مغربی سرمائے سے پاکستان میں کھمبیوں کی طرح اُگ آنے والی مسیحی NGOs اب اس قدر دلیر، بے باک، گستاخ اور جارحیت پسند ہو گئی ہیں کہ وہ اس ملک کے وزیراعظم کے خلاف بے باکانہ زبان درازیوں سے بھی باز نہیں رہتیں۔ ہوا یوں کہ وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف نے اسلام آباد میں ایک منعقدہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

> "اسلام کے سیاسی فلسفہ کی بنیاد جمہوریت پر مبنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ: اسلام کے خلاف نظریاتی تنازعہ مکمل طور پر غیر ضروری ہے۔ وہ لوگ جو اسلام کو مغرب کا دشمن سمجھتے ہیں، ایک محدود تاریخی پس منظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی بنیاد پرستی کو مغرب نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اسے شکست دینے پر زور دیا، اسلامی بنیاد پرستی پر مسلمان کو فخر ہے۔
> وہ بنیادیں یہ ہیں: توحید، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، ان پر عمل کر کے مسلمان اپنے آپ کو سچا مسلمان گردانتے ہیں۔
> کیا یہ بنیاد پرستی ہے؟ انہوں نے کہا کہ بنیاد پرستی (فنڈامینٹلزم) کی اصطلاح عیسائیت سے آئی ہے لیکن اسے اسلام پر تھوپ دیا گیا" (روزنامہ "جنگ" لاہور، ۷ر اکتوبر ۱۹۹۷ء)

وزیراعظم پاکستان کی تقریر کے آخری جملے پر بعض نوزائیدہ جذباتی مسیحی تنظیموں نے شدید احتجاج کیا حالانکہ وزیراعظم نے جو بات کی تھی وہ حقیقت کے عین مطابق تھی۔ یہ جاہل لوگ ہر وقت بھڑکاؤ اور اشتعال کا موقع ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ اگر وہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، امریکانا، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن کا مطالعہ کر لیتے تو انہیں اصل حقائق کا علم ہو جاتا، مگر نعرے بازی جن کی کاروائیوں کا اصل جوہر ہو تو وہ علمی باتوں کی طرف کب متوجہ ہوتے ہیں۔ دوسرے دن مسیحی NGOs کا ایک غول وزیراعظم نواز شریف پر برس پڑا۔ ان کا احتجاج بے بنیاد، غیر منطقی اور جہالت پر مبنی تھا۔ ان تنظیموں کے بیانات سطحی جذباتیت کا رنگ لئے ہوئے تھے۔ روزنامہ جنگ نے ۸ر اکتوبر ۹۸ء کو ان کے احتجاجی بیانات شائع کیے۔ اس خبر کا متن رخلاصہ ملاحظہ ہو:

> "مسیحی راہنماؤں نے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ وزیراعظم کے اس بیان پر مسیحی برادری کو دکھ ہوا ہے اور اس سے مسیحیوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ وزیراعظم اپنا بیان واپس لیں۔ وزیراعظم کے بیان سے مسیحی برادری پریشان ہو گئی ہے۔ مسیحی خواتین کی ایک تنظیم نے اس بیان کے خلاف مال روڈ پر مظاہرہ کا اعلان بھی کیا۔
> "پاکستان نیشنل کرسچین لیگ" کے عہدیداران نے بے حد جذباتی انداز میں مذکورہ تقریر کو افسوس ناک قرار دیتے ہوئے وزیراعظم کو یہ جتلایا کہ "انہیں علم ہی نہیں ہے کہ مسیحی برادری بھی پاکستان کی رعایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزیراعظم کو یہ یاد ہی نہیں رہا کہ پاکستان مغرب یعنی مسیحی دنیا کا ہر طرح سے محتاج ہے"۔

راقم الحروف نے مسیحی تنظیموں کے اس ہفواتی اور لغو احتجاج کا نوٹس لیتے ہوئے "اسلام، عیسائیت اور بنیاد پرستی" کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا تھا۔ جو ماہنامہ "محدث" کے اکتوبر ۱۹۹۸ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ راقم الحروف نے مذکورہ بالا اور دیگر حوالہ جات کی روشنی میں بے حد تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ وزیراعظم کا بیان حقیقت پر مبنی ہے بلکہ ان کے بیان کی "قابل اعتراض" سطر تو "ڈکشنری آف ایتھکس، تھیالوجی اینڈ سوسائٹی" کے الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ راقم الحروف نے

اسی مقالہ میں پاکستانی مسیحی برادری اور مسلمان اکثریت کے تعلقات میں رخنہ اندازی کی سازش پر اربابِ حل و عقد کو متنبہ کرتے ہوئے تحریر کیا تھا :

"اِکا دکا واقعات سے قطع نظر، اس وقت مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان باہمی تعلقات کی فضا خوشگوار ہی کہی جا سکتی ہے۔ لیکن جس طرح بعض مسیحی راہنماؤں نے وزیراعظم کے حقیقت پسندانہ بیان پر غیر ذمہ دارانہ بیانات دیئے ہیں، تو اس سے یہ خدشات پیدا ہوگئے ہیں بعض عاقبت نااندیش اقلیتی راہنماؤں کی جذباتیت پسندی، امن کی موجودہ فضا کو شاید قائم نہ رہنے دے گی" ...... (ماہنامہ محدث، اکتوبر ۱۹۹۸ء)

راقم الحروف کے یہ خدشات چند ماہ بعد ہی درست ثابت ہوگئے جب بشپ جان جوزف کی خود کشی / قتل (مئی ۹۸ء) کے بعد ان تنخواہ دار مسیحی تنظیموں نے مال روڈ پر مسلح ہو کر جلوس نکالے، مساجد میں مسلمان نمازیوں پر پتھراؤ کیا اور مسلمانوں کی اَملاک کو نقصان پہنچایا۔

(۴) بشپ ڈاکٹر جان جوزف کی خودکشی (قتل ؟): جون ۹۸ء میں گستاخِ رسول ایوب مسیح کے خلاف الزامات ثابت ہونے کے بعد سیشن کورٹ ساہیوال نے اسے موت کی سزا سنائی۔ بعض مسیحی جنونی عدالت کا فیصلہ سن کر "احتجاجی ہسٹریا" میں مبتلا ہوگئے۔ قانونِ توہین رسالت ﷺ کے خلاف جدوجہد کرنے والے ایک دفعہ پھر متحرک ہوگئے۔ ایوب مسیح کے دفاع کے لئے یورپ سے سولہ لاکھ ڈالر کی خطیر رقم بھیجی گئی تھی۔ سیشن کورٹ میں ناکامی کے بعد اس رقم کے حصہ داروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ پھر ایک دن رات کو نو بجے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت بشپ جان جوزف کو قتل کر کے سیشن کورٹ کے سامنے پھینکنے کا ڈرامہ رچایا گیا۔ خبر یہ پھیلادی گئی کہ بشپ جان جوزف نے ایوب مسیح کی موت کے خلاف احتجاجاً خود کشی کر لی ہے۔ غیر ملکی مفاد پرست مسیحی ٹولے کو قانونِ توہین رسالت ﷺ کے خلاف ہنگامہ خیز اور فیصلہ کن معرکہ آرائی کے لئے کسی بہت بڑے 'موڑ' کی ضرورت تھی۔ انہوں نے بشپ جان جوزف کی 'لاش' پر پاکستان میں مسیحی اقلیت کی طرف سے بڑی ہنگامہ آرائی کا منصوبہ بنایا۔ درحقیقت پیپلز پارٹی نے انہیں قانونِ توہین رسالت ﷺ کی تبدیلی کی یقین دہانی کرائی تھی۔ مسلم لیگ کی حکومت کے آنے کے بعد وہ سخت مایوسی میں مبتلا تھے۔ نئی حکومت کو اپنے ناروا مطالبہ کے سامنے جھکانے کے لئے انہوں نے یہ ساری خطرناک منصوبہ بندی کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ مسیحی یورپ اور عالمی چرچ اپنے بشپ کے قتل کے بعد اس قدر شدید احتجاج کرے گا کہ پاکستان کی حکومت اس کی تاب نہ لا سکے گی۔ اقلیتی حقوق کے ان بدبخت منادوں نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے مسلمانوں اور عیسائی اقلیت کے درمیان خطرناک تصادم کا خطرہ پیدا کر دیا۔ ۷ / مئی کو ملک بھر میں یوم احتجاج منایا گیا...... اس کے بعد کیا ہوا؟ نوائے وقت (۱۸ / مئی ۹۸ء) کا ادارتی نوٹ ملاحظہ فرمائیے :

"ملک بھر سے آئے ہوئے مسیحیوں نے بشپ جان جوزف کی موت پر احتجاج کرتے ہوئے شاہراہِ قائداعظم پر دو مختلف مقامات پر ہونے والے نمازِ جمعہ کے اجتماعات پر دھاوا بول دیا، دوسری طرف شاہراہِ فاطمہ جناح سے لیکر قرطبہ چوک تک تباہی مچادی۔ مظاہرین مارکیٹوں اور دفاتر میں گھسے اور پنجاب اسمبلی پر بھی حملے کی کوشش کی۔ انہوں نے مال روڈ بلاک کر دی۔ نمازِ جمعہ کے وقت جب مساجد میں نمازی آنا شروع ہوئے تو یکدم مسیحیوں نے پتھراؤ شروع کر دیا۔ مساجد پر دھاوے کے دوران مسیحی نوجوانوں نے پتھراؤ کے ساتھ ساتھ نمازیوں پر جوتیاں پھینکیں۔ پولیس کے افسران بار بار کہتے رہے کہ آپ کی ریلی شام کو ہے لیکن کسی نے نہ سنی اور ہر طرف تباہی مچادی......"

قارئین! یہ بے حد خطرناک منصوبہ تھا، اس ارضِ پاک کے امن کو تباہ کرنے کا۔ پاکستان میں مسیحی اقلیت کو ایک سازش کے ذریعے مسلمانوں سے ٹکرانے کی کوشش کی گئی تاکہ سارے مسیحی یورپ کی ہمدردیاں حاصل کی جائیں اور فنڈز بھی۔ سازش تیار کرنے والوں نے ایک لمحہ کے لئے نہ سوچا کہ اگر مسلمانوں کی مساجد پر پتھراؤ کرنے سے مسلمان بھی جوابی اشتعال کا مظاہرہ کرتے تو پھر نقصان کس کا ہوتا؟ اگر یہ ہنگامے پھیل جاتے تو اس ملک میں مسیحیوں کو سر چھپانے کو جگہ نہ ملتی۔ لیکن

اسلام کے پیروکاروں نے بروقت اس خطرناک سازش کو بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے ایک مٹھی بھر شرپسند ٹولے کی زیادتیوں کو برداشت کیا۔ ورنہ وہ عیسائیوں کی ساتھ وہ سلوک کرتے جو چند ماہ پہلے بھارت کے ہندوؤں نے کیا تھا تو ان غل غپاڑہ مچانے والوں کو یہاں کہیں پناہ نہ ملتی۔ احتجاج کا اصل وقت شام کا تھا۔ جان بوجھ کر جمعہ کے وقت جلوس نکالا گیا اور پھر یکلخت انتظامیہ کو بھی دھوکہ میں ڈال کر مسلمانوں پر دھاوا بول دیا گیا۔ بشپ آف لاہور نے بھی اس غنڈہ گردی پر احتجاج کیا۔ انہوں نے کہا: "یہ کچھ شرپسند عناصر ہیں جنہوں نے ہماری پرامن تحریک کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ہے" ...... مگر ان کو روکنے کی ذمہ داری بھی انہی کی تھی۔ وہ ایسے عناصر کی قیادت کے لئے آمادہ ہی کیوں ہوئے تھے؟ نوائے وقت نے اپنے اداریے میں لکھا:

"محبِ وطن مسیحی قیادت کا فرض ہے کہ وہ ان تخریب کار عناصر پر نظر رکھے"

ایک چشم دید صحافی کی رپورٹ کے مطابق مسیحی جلوس کے شرکاء نے بالکل نئے ایک رنگ کے قیمتی جوگر پہنے ہوئے تھے۔ اب ظاہر ہے ہزاروں مظاہرین کو جوتوں کے علاوہ بھی سامان فراہم کیا گیا ہوگا۔ یہ تمام بیرونی سازشی عناصر کی سرمایہ کاری تھی۔ ورنہ مقامی تنظیموں کے پاس اتنے فنڈز کہاں ہیں؟

مسیحیوں کے اس احتجاج کا کوئی اَخلاقی جواز نہ تھا۔ بشپ جان جوزف نے خودکشی کی تھی یا ان کو قتل کیا گیا تھا، دونوں صورتوں میں اس کی ذمہ داری مسلمانوں پر یا حکومت پر عائد نہیں ہوتی۔ تو پھر یہ احتجاج کس سے اور کیوں کیا جارہا تھا؟ ڈاکٹر الیگزینڈر ملک اور دوسرے مسیحی راہنماؤں کو بھی اس پر سوچنا چاہئے تھا۔ وہ شرپسند مسیحی ٹولے کے آلہ کار بن گئے۔ انہوں نے نامعقولیت کا ثبوت دیا، بجائے بشپ صاحب کے اصل قاتلوں (مسیحی) کے خلاف تحریک چلانے کے انہوں نے احتجاج کا رُخ سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت مسلمانوں کی طرف موڑ دیا۔ وہ یہ اہم اور نازک موقعہ قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے۔

قارئین کرام! ہم نے مذکورہ بالا منتخب واقعات اسی لئے نقل کئے ہیں تاکہ آپ خود اندازہ کرسکیں کہ گذشتہ چند سالوں میں جو بڑے واقعات ہوئے ہیں، اس میں مسیحی NGOs کی سوچ کس قدر غلط، ان کا طریقہ کار کس قدر نامعقول اور ان کے عزائم کتنے مذموم ہیں۔ قانونِ توہین رسالت کے معاملے میں بھی وہ سطحی جذباتیت اور منفی ہیجان خیزی میں مبتلا ہیں۔ ان کا اصل مقصود مسیحی اقلیت کے حقوق کا تحفظ کرنا نہیں ہے بلکہ اقلیتی حقوق کے نام پر تحریک چلا کر یورپ کو بھڑکانا اور پھر ان سے کروڑوں کے فنڈز وصول کرکے عیش و عشرت کی زندگی گزارنا اور لوٹ مار کرنا ہے۔ قانونِ توہین رسالتؐ کے خلاف تحریک عام مسیحی نہیں بلکہ مسیحی لیڈروں کا یہی مافیا چلا رہا ہے۔ ان کی اکثریت چند سال قبل کسمپرسی کا شکار تھی، مگر آج وہ پجاروز میں گھوم رہے ہیں۔ اندرون و بیرونِ ملک ان کے شاندار بنگلے ہیں۔ فرانسس جوزف چند سال قبل YMCA میں چپڑاسی تھا۔ آج وہ ۲۰ لاکھ کی پجارو میں گھومتا ہے۔ پطرس غنی، شہباز بھٹی وغیرہ اسی قبیل کے افراد آج VIP بنے پھرتے ہیں۔ ان کی زبان درازی حدِ اعتدال سے باہر نکل چکی ہے، اب وہ پاکستان کے وزیراعظم تک کا لحاظ نہیں کرتے۔ اے کاش ہمارے حکمران قانونِ توہین رسالتؐ کے مخالف ان بدبخت بالشتیوں کی اوقات کو پہچانتے تو انہیں کبھی بھی معذرت خواہانہ رویہ اپنانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

(۷) بیرونی دباؤ کے حکومتِ پاکستان پر اثرات

مختلف اَدوار میں حکومتِ پاکستان کا امریکہ سے تعلق حد درجہ فکری محکومی اور ذہنی غلامی کا رہا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی سوچ اور نفسیات کا یہ عجب المیہ ہے کہ وہ اسلام کی حقانیت کو بھی اہل مغرب کے قول سے 'ثابت' کرنے کا میلان رکھتے ہیں۔ اور اہل مغرب کے سامنے اپنے آپ کو پسندیدہ بنا کر پیش کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

قانون توہین رسالت کے متعلق مغرب کے منفی پراپیگنڈہ میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا، ہمارے حکمرانوں کے اوسان

جواب دیتے ہیں۔ اس نے محرکات پر غور کرنے کی زحمت ہی نہ اٹھائی گئی۔

قانونِ توہین رسالت میں تبدیلی کی سرکاری سطح پر سب سے پہلے تحریک دسمبر ۱۹۹۳ء میں دیکھنے میں آئی جب بینظیر حکومت نے لاء کمیشن کے ذریعہ ۲۰ر دسمبر کو اسلامی نظریاتی کونسل کو مراسلہ بھجوایا جس میں اس امر کا مشورہ طلب کیا گیا کہ کیوں نہ قانونِ توہین رسالت میں اس جرم کو ناقابل دست اندازی پولیس قرار دیا جائے۔ لاء کمیشن نے اس تبدیلی کیلئے یہ جواز پیش کیا:

> "گوجرانوالہ کے توہین عدالت کیس (سلامت مسیح) زیر دفعہ C-295 کے سلسلے میں بین الاقوامی سطح پر عیسائی اداروں کی شکایات کے پیش نظر ضابطہ فوجداری کی اس دفعہ میں ترمیم کرکے اسے ناقابل دست اندازی پولیس بنایا جائے۔ اس ترمیم کے نتیجے میں یہ جرم استغاثہ کا کیس بن جائے گا جس کی سیشن کورٹ سماعت کریں گی اور ملزم کے خلاف قانونی اتھارٹی کے غلط استعمال کا موقع نہیں رہے گا"

گویا یہ عجوبہ روزگار تجویز ہمارے لاء کمیشن کے 'زرخیز' اذہان کی کاوشِ فکر کا نتیجہ تھی۔ لاء کمیشن نے تو باقاعدہ مجوزہ قانون میں تبدیلی کا ڈرافٹ بھی بنادیا تھا اور اسے ۱۹۹۳ء سے ہی قابل نفاذ قرار دے دیا تھا

بقول ڈاکٹر سرفراز نعیمی صاحب اگر لاء کمیشن کے اختیار میں قانون سازی یا آئین میں تبدیلی کا اختیار ہوتا تو یہ تبدیلی ۱۹۹۳ء ہی میں عمل میں آچکی ہوتی۔ (روزنامہ 'جنگ' ۱۶ر مئی ۱۹۹۸ء)

(۱) قانونِ توہین رسالتؐ میں تبدیلی کی تجویز اصل میں پاکستان میں متعین برطانوی ہائی کمشنر کا Brain Child (ذہنی تخلیق) ہے۔ لاء کمیشن کے اجلاس سے چند روز پہلے برطانوی ہائی کمشنر چیف جسٹس آف پاکستان سے ملے جو لاء کمیشن کے بلحاظ عہدہ چیئرمین بھی ہیں۔ عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کے قانونی مشیر جناب حشمت حبیب ایڈووکیٹ کا درج ذیل بیان اس تبدیلی کی تجویز کے پس پشت فوری جذبہ کو بے نقاب کرتا ہے: (مضمون "برطانیہ بھی دفعہ ۲۹۵ سی کے خلاف میدان میں کود گیا")

> "یہ سازش کامیاب کرانے کے لیے قادیانیوں کے رسہ گیر برطانوی آقا میدان میں اُتر کر سرگرمِ عمل ہوگئے ہیں۔ برطانوی سازش کا انکشاف پاکستان لاء کمیشن کے اجلاس کے دوران ہوا۔ اجلاس میں بتایا گیا کہ پاکستان میں متعین برطانوی ہائی کمشنر نے چیف جسٹس پاکستان سے ملاقات کے دوران انہیں باور کرایا کہ دفعہ ۲۹۵۔سی تعزیراتِ پاکستان سے مذہبی جذبات مشتعل ہورہے ہیں۔ جس سے حقوقِ انسانی کے تحفظ کے سحر میں مبتلا اَفراد اپنا مقام اور اس دفعہ کی اہمیت بھول گئے اور انہوں نے کوشش کی کہ ۲۹۵۔ سی کے تحت سزا پانے والے مجرم کو ناقابل گرفت پولیس بنادیا جائے، وہ بے اثر ہوا، تاہم لاء کمیشن نے یہ اہم معاملہ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیج دیا ہے" (ہفت روزہ 'تکبیر' ۲۸ر اپریل ۱۹۹۴ء)

پاکستان میں قانونِ توہین رسالت کے ناقدین سے مرعوب و مغلوب ہونے کا سب سے زیادہ تاثر بینظیر بھٹو صاحبہ نے دیا ہے۔ اہل مغرب سے فکری ہمنوائی کی وہ ہمیشہ شعوری کوشش کرتی رہی ہیں۔ درج ذیل سطور میں توہین رسالت کے قانون کے متعلق ان کے خیالات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) اگست ۱۹۹۲ء میں میاں نواز شریف کی حکومت نے قانونِ توہین رسالتؐ کے مرتکب کے لئے موت کی سزا کا بل پارلیمنٹ میں پیش کرنا چاہا، اگرچہ پارلیمنٹ کی طرف سے اب یہ رسمی کارروائی تھی۔ قانون تو عدالتی فیصلہ کے نتیجے میں پہلے سے نافذ العمل تھا، مگر یہ بات بھی قائد حزبِ اختلاف کو پسند نہ آئی۔ انہوں نے ایک بیان میں کہا:

> "ملک کے ۱۲ کروڑ عوام الناس ناموسِ رسالت کی حفاظت خود کرسکتے ہیں۔ حکومت ناموسِ رسالتؐ کے سلسلے میں سزائے موت کا قانون پارلیمنٹ میں پیش کرکے ملک کو بنیاد پرستوں کی ریاست بنانے کی کوشش کررہی ہے جو کہ عوام کے بنیادی حقوق سلب کرنے کے مترادف ہے اور اسلام کو بدنام کرنے کی سازش ہے۔ انہوں نے کہا کہ گواہوں اور شہادتوں کی بنا پر شانِ رسالتؐ میں گستاخی کرنیوالے کو سزا دینا اس لئے معنی نہیں رکھتا کہ ہمارے ملک میں تو ارکانِ پارلیمنٹ کو خرید لیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کرایہ کے گواہوں کی موجودگی میں انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی" (جنگ، کراچی: ۱۰ر اگست ۹۲ء)

تمام دنیا کے عدالتی نظام شہادتوں کے بنیاد پر جرائم کے ارتکاب کا تعین کر کے سزا تجویز کرتے ہیں۔ پاکستان میں بھی دیگر جرائم کے بارے میں یہی اُصول کارفرما ہے لیکن محترمہ قانونِ توہین رسالت کے بارے میں پارلیمنٹ کے ارکان کی شہادت پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

(۲) ۱۹۹۳ء میں پیپلز پارٹی دوبارہ برسر اقتدار آئی۔ آتے ہی انہوں نے اس قانون میں ترمیم پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں سلامت مسیح کیس کی وجہ سے بیرونی دباؤ بھی شدت اختیار کر گیا۔ حکومت اہل مغرب کی ناراضگی کی متحمل نہ ہو سکتی تھی...... پھر ایک دن خبر آئی: (روزنامہ 'جسارت': ۶/ اپریل ۱۹۹۴ء)

"پیپلز پارٹی کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کر دی جائے جس کے تحت توہین رسالت کے مرتکب کی سزا، سزائے موت اور عمر قید سے کم کر کے دس سال کر دی جائے۔ اس بات کا فیصلہ وزیراعظم پاکستان بے نظیر بھٹو صاحبہ کی زیر صدارت ہونے والے وفاقی کابینہ کے اجلاس میں کیا گیا۔"

اسلامی احکام کے مطابق توہین رسالت کے مرتکب کی سزا صرف 'موت' ہے مگر ہمارے 'روشن خیال' حکمران اس پر یقین نہیں رکھتے۔ راقم الحروف کو تعجب ہے کہ انہوں نے دس سال تک کی سزا کو آخر کیوں تجویز کیا، ان کے نزدیک تو ناموسِ رسالت کا تحفظ ۱۲ کروڑ عوام از خود کر سکتے تھے۔

(۳) مذکورہ بالا فیصلہ کے بعد حکومت نے اپنے اس 'انقلابی' اور 'ترقی پسندانہ' فیصلہ سے اپنے ہم خیال یورپی راہنماؤں کو آگاہ کرنے بلکہ انہیں 'خوشخبری' سنانے کیلئے جناب اقبال حیدر، وزیر قانون و پارلیمانی امور کو یورپ کے دورے پر ارسال کیا۔ انہوں نے وہاں تابڑ توڑ پریس کانفرنس منعقد کیں۔ آئرلینڈ کے اخبار 'آئرش ٹائمز' کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

"وفاقی کابینہ نے توہین رسالت قانون میں ترمیم کی منظوری دے دی ہے اور اس ترمیم سے اب پولیس کو اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو گرفتار کرنے اور جیل بھجوانے کا اختیار حاصل نہیں رہا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان ایک جدید اسلامی ریاست ہے اور موجودہ حکومت ملک میں مذہبی انتہا پسندی کو بالکل نہیں چاہتی۔ 'آئرش ٹائمز' کے مطابق انہوں نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو یہ یقین دہانی کرائی" (روزنامہ جنگ، روزنامہ نوائے وقت، کراچی، ۳/ جولائی ۱۹۹۴ء)

موصوف نے وہاں یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ توہین رسالت کا قانون دراصل 'بنیاد پرستی' کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اس کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے اور 'جدید اسلامی ریاست' میں تو اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ وہ یہ یکسر فراموش کر گئے کہ یہ سزا نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس سے لے کر دورِ حاضر تک ایک متفقہ سزا رہی ہے۔

(۴) بینظیر بھٹو صاحبہ کی سیکولر حکومت کے دیگر ترقی پسند وزراء آخر کیوں پیچھے رہتے، انہوں نے بھی اپنے بیانات کے ذریعہ قانونِ توہین رسالت میں تبدیلی کی 'نوید' سنانا شروع کر دی۔ وفاقی وزیر خصوصی برائے تعلیم و سماجی بہبود ڈاکٹر شیر اَفگن نے ایک بیان میں کہا:

"حکومت اس قانون میں ترمیم کر رہی ہے جس کے ذریعہ مقدمہ درج کرنے سے پہلے سیشن جج اس معاملہ کی تحقیق کریں اور اس کے بعد مقدمہ درج کرنے کی سفارش کریں" (روزنامہ "امن" کراچی: ۷/ جولائی ۹۴ء)

کراچی میں ماورائے عدالت قتل کے حوالہ سے 'شہرت' پانیوالے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے کہا کہ

"آئندہ پولیس کو اختیار نہیں ہوگا کہ وہ معمولی سی شکایت پر کسی بھی فرد کے خلاف مقدمہ رجسٹر کرے بلکہ پولیس فوراً اس معاملہ کی علاقہ مجسٹریٹ کو رپورٹ کرے گی جو کہ متعلقہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ساتھ اس جگہ کا معائنہ کرے گی جہاں متذکرہ جرم ہوا ہے۔ مجسٹریٹ تحقیقات کر کے یہ طے کرے گا کہ شکایت صحیح ہے یا جھوٹ پر مبنی ہے۔ وزیر موصوف نے یہ بھی کہا کہ ایسا شکایت کنندہ جو جھوٹی رپورٹ پولیس میں دائر کرے گا، اس کو دس سال تک کی قید بھی ہو سکتی ہے۔" (انگریزی روزنامہ 'دی نیوز' ۱۴/ جولائی ۱۹۹۴ء)

......دونوں وزراء کے بیانات میں اختلاف ہے، ایک سیشن جج کی بات کرتے ہیں تو دوسرے علاقہ مجسٹریٹ کی۔

(۵) بینظیر بھٹو جب دوبارہ اقتدار سے الگ کر دی گئیں، تب بھی اس قانون کے بارے میں ان کے خیالات تبدیل نہ ہوئے۔ اب بھی موقع پاکر وہ اس میں ترمیم کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں۔ اُنہوں نے ایک بیان میں کہا کہ "حکومت حقوقِ انسانی کی تنظیموں (NGOs) کے ساتھ مشورہ کرکے توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کرے۔" (روزنامہ 'نوائے وقت' ۲۳ر مئی ۹۸ء)

(۶) اس وقت کے صدر فاروق احمد لغاری نے جس طرح درپردہ بعض مسیحی راہنماؤں کو اس قانون میں تبدیلی کی یقین دہائی کرائی اور ضلعی انتظامیہ کو ہدایات ارسال کیں، اس کا تذکرہ بشپ جان جوزف کی خدمات والے حصہ میں گزر چکا ہے۔

(۷) موجودہ وفاقی وزیر برائے مذہبی راقلیتی امور، راجہ ظفرالحق صاحب جن سے منسوب ۱۴ر جون ۱۹۹۹ء کا بیان اس مفصل مضمون کا اصل محرک بنا ہے، ان کے ماضی کے بیانات کا تذکرہ مفید رہے گا۔ ۷ر مارچ ۱۹۹۶ء کو تین کالمی سرخی کے ساتھ ان کا یہ بیان چھپا : "توہین رسالت کا قانون...... امریکی مطالبہ پر حکومتی ردِ عمل افسوسناک ہے"

"انہوں نے اپنے بیان میں امریکی وزارتِ خارجہ کی طرف سے توہین عدالت کے قانون کی منسوخی کے مطالبہ پر حکومتِ پاکستان کے بیان پر افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکومتِ پاکستان نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حکومت کے پاس ایوان میں دو تہائی اکثریت نہیں، اس لئے وہ اس قانون کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حکومت کے پاس دو تہائی اکثریت ہوتی تو وہ توہین رسالتؐ کے قانون کو منسوخ کر دیتی۔ انہوں نے کہا کہ اس قانون کی تنسیخ کا مطالبہ کرنے والوں کو شاید علم نہیں ہے کہ جو مسلمان، اپنی اولاد، دولت اور والدین سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ سے محبت نہیں رکھتا، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔ دنیا کے تمام مسلمان جان دے کر بھی اس عقیدے کی حفاظت کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ توہین رسالت کا موجودہ قانون نہ ہوتا تو مسلمان خود توہین رسالت کرنیوالے کو سزا دیتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر حکومت نے توہین رسالتؐ کے قانون پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا تو ایسا کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا" (روزنامہ 'پاکستان': ۷ر مئی ۹۸ء)

یہ بیان جب انہوں نے دیا تھا تو اس وقت وہ سینٹ میں قائدِ حزبِ اختلاف تھے اور مرکز میں پیپلز پارٹی کی حکومت تھی...... ۷ر مئی ۱۹۹۸ء کو جب بشپ جان جوزف کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت مسیحی احتجاج شدت اختیار کر گیا اور حکومت گھبرا گئی تو اقلیتوں کو تسلی دینے کے لئے مذہبی و اقلیتی اُمور کے وزیر راجہ ظفرالحق نے ۹ر مئی ۱۹۹۸ء کو بیان دیا :

"مسلم لیگ کی حکومت قانونِ توہین رسالت میں ترمیم کی بجائے اس کے طریقہ کار میں تبدیلی پر غور کر رہی ہے۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے یہ طریقہ وضع کیا ہے کہ اس قسم کے کیس کی سماعت عام عدالت کی بجائے سپیشل کورٹ میں کی جائے۔ اس کے علاوہ ایسے کیس پہلے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس جائیں اور وہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ آیا کیس عدالت میں چلنا بھی چاہئے یا نہیں" (روزنامہ 'خبریں' لاہور: ۹ر مئی ۱۹۹۸ء)

بے حد تعجب کا مقام ہے کہ راجہ ظفرالحق صاحب پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں قانونِ توہین رسالت میں نہ تو ترمیم کے حق میں تھے، نہ اس کے طریقہ کار میں کسی تبدیلی کے حق میں۔ یہ ان جیسے مسلم لیگی راہنماؤں کے زوردار بیانات اور ردّ عمل کا نتیجہ ہی تھا کہ پیپلز پارٹی کی حکومت پارلیمنٹ سے اس قانون میں ترمیم کا بل پیش نہ کر سکی۔ مگر جب وہ خود حکومت میں آئے تو ان کی طرف سے اس قانون کے طریقہ کار میں تبدیلی کے متعلق بیانات آنا شروع ہو گئے۔ انہوں نے اپنے موقف میں اس واضح تبدیلی کے اسباب پر بھی کھل کر روشنی نہیں ڈالی۔

(۸) مسلم لیگی حکومت کے وفاقی وزیر قانون خالد انور صاحب نے بھی ۲۴ر مئی ۱۹۹۸ء کو بیان دیا تھا: "حکومت توہین رسالت کے ایکٹ میں ترمیم کرے گی" (روزنامہ 'خبریں') خالد انور صاحب کا بیان راجہ ظفرالحق کے بیان سے زیادہ خطرناک اور مختلف ہے۔ انہوں نے ایکٹ میں 'ترمیم' کی بات کی جبکہ راجہ صاحب طریقہ کار میں تبدیلی کی بات کرتے رہے ہیں۔

(۸) پاکستان میں مسیحی اقلیت سے سلوک

اگر مجموعی اعتبار سے پاکستان میں مسیحی برادری سے مسلمانوں کے برتاؤ اور انہیں ملنے والی مراعات کو پیش نظر رکھا جائے تو پاکستان کو کسی بھی مہذب ملک کے سامنے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ فرانس، جرمنی، ناروے، برطانیہ سربیا اور امریکہ میں مسلم اور سیاہ فام اقلیتوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جارہا ہے، اس کے ساتھ اگر پاکستان میں مسیحی اقلیت کی حالت کا موازنہ کیا جائے تو پاکستانی مسیحی برادری کی حالت بدرجہا بہتر ہے۔ امریکی دفتر خارجہ ہر سال بھارت اور پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتِ حال کا موازنہ کرتے ہوئے بھارتی سیکولرازم کی تعریف میں رطب اللسان رہا ہے اور پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کا رونا روتا رہا مگر ۱۹۹۸ء میں جب بھارتی سیکولرازم کا اصل چہرہ سامنے آیا اور انڈیا کے مختلف شہروں میں ہندو انتہا پسندوں نے عیسائیوں کو بے دریغ قتل کرنا اور زندہ جلانا شروع کیا تو انہیں یقین کرنا پڑا کہ پاکستان میں اقلیتیں نہایت آسودہ ہیں۔ پاکستان کی پوری تاریخ میں کسی بھی اقلیت کے ساتھ اس طرح کا ایک بھی واقعہ پیش نہیں آیا۔ انتہا پسند ہندو اب بھی عیسائیوں کو دھمکیاں دے رہے ہیں کہ یا تو وہ ہندو بن جائیں یا پھر بھارت چھوڑ جائیں ورنہ ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا رہے گا۔ پاکستان میں شرپسند مسیحی گروہوں کو انڈیا کے حالات سے بھی عبرت حاصل نہیں ہوئی۔ پاکستان تو ان کے لیے 'جنت' ہے۔ اگر وہ اب بھی احتجاج کرتے ہیں تو یہ احسان فراموشی ہے!! روزنامہ 'اوصاف' کی ادارتی سطور ملاحظہ کیجیے:

> "ہم اس نام نہاد سپرپاور کو یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمان اپنے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کرتے۔ رہا سوال عیسائی اقلیت کے ساتھ ظالمانہ سلوک کا تو یہ محض بہتان ہے۔ اپنا کیس مضبوط کرنے کے لیے ایک پرانا ہتھکنڈہ ہے۔ عیسائی برادری جتنی آزادی اور سکون کے ساتھ پاکستان میں رہ رہی ہے، اتنا سکھ، آرام اور مذہبی سکون شاید اسے امریکہ میں بھی میسر نہ ہو۔ زیادہ تر علاقوں میں عیسائی برادری مسلمانوں کے ساتھ اس انداز سے رہ رہی ہے کہ گمان ہی نہیں ہوتا کہ ان میں اکثریت کون سی ہے اور اقلیت کون سی؟ (۲۷ر جنوری ۱۹۹۸ء)

یہی بات ہمیں 'خبریں' کے ایک اداریے میں ملتی ہے: "پاکستان میں مسیحی برادری کو جو سہولتیں آئینی اور قانونی تحفظ حاصل ہے، اس کی مثال کسی غیر مسلم معاشرہ میں نہیں ملتی" (۷ر دسمبر ۹۷ء)

روزنامہ "جنگ" نے بھی ۱۰ر مئی ۱۹۹۸ء کے اداریے میں اسی پہلو کی نشاندہی کی ہے:

> "امر واقعہ یہی ہے کہ عیسائیوں اور عیسائیت کے بارے میں پاکستان بھر میں سرے سے منافرت کی فضا موجود ہی نہیں ہے۔ بلکہ اربابِ حکومت سے لے کر عام آدمی تک اپنے عیسائی بھائیوں کی تالیفِ قلب کو بطورِ خاص ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔"

اس تمام تر وسعت اور رواداری کے باوجود پاکستانی مسلم اکثریت کو خوانخواہ مطعون ٹھہرایا جائے تو اسے مریضانہ ذہنیت اور حقائق سے چشم پوشی کے مترادف سمجھا جانا چاہیے۔

(۹) قانونِ توہین رسالتؐ میں تبدیلی کے مضمرات

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قانونِ توہین رسالتؐ میں مذکورہ تبدیلی کی فی الواقع ضرورت ہے ؟ فرض کریں اگر اس کی ضرورت اب محسوس کی گئی ہے تو پھر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اس 'ضرورت' کا تعین کن اُمور کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے ؟...... ناموسِ رسالتؐ مسلمانوں کے لیے اساسِ دین کی حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ قرطبیؒ کے بقول "نبی کریمؐ کی تعظیم و تکریم ہی مذہب کی بنیاد ہے اور یوں اس سے محرومی مذہب سے انحراف ہے"...... اتنے اہم قانون میں مسلمانوں کے جذبات کو نظر انداز کرتے ہوئے محض اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے بعض شرپسندوں کی مبالغہ آمیز داستانوں، بے بنیاد الزامات اور بے جا تنقید کی بنیاد پر تبدیلی ہر اعتبار سے بلاجواز ہے۔ مسلمانوں کے عقائد سے متعلقہ قوانین میں محض معدودے چند اقلیتی راہنماؤں کے

اشتعال انگیز بیانات یا امریکہ اور دیگر ممالک کے اس ضمن میں ناروا دباؤ کے زیر اثر اس طرح کی تبدیلی کا متعارف کرانا اس اعتبار سے بھی خطرناک ہے کہ اسلام دشمنوں کی خواہشات کی پیروی بالآخر اسلام سے انحراف پر ہی منتج ہوا کرتی ہے۔ اسلامی دنیا کے سیکولر ممالک بالخصوص ترکی میں اسلام کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جارہا ہے، وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔

قانونِ توہین رسالتؐ میں مذکورہ تبدیلی کے درج ذیل مضمرات سے اِغماض نہیں برتنا چاہیے:

(۱) یہ درست ہے کہ فی الحال توہین رسالت ﷺ کے واقعات میں ایف آئی آر کے اندراج کے قانون میں تبدیلی لائی جارہی ہے لیکن بات محض اس تبدیلی تک نہیں رُکے گی۔ اس تبدیلی کو قانونِ توہین رسالتؐ کے نامعقول جنونی مخالفین کی طرف سے، منزل کی طرف 'پہلا قدم' اور جدوجہد میں کامیابی کے 'آغاز' سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جذباتی تشنج میں مبتلا حقوقیے کبھی ایک حق کی بازیابی تک اکتفا نہیں کرتے، ان کا جنون انہیں مسلسل آگے بڑھنے کی تحریک دیتا رہتا ہے۔ بعض جذباتی مسیحی رہنماؤں نے قانونِ توہین رسالت کو اپنی زندگی اور موت کا مسئلہ بنایا ہوا ہے۔ بشپ الیگزینڈر بارہا ۲۹۵۔سی کو مسیحیوں کو 'قتل کرنے کا لائسنس' قرار دے چکے ہیں۔ مؤرخہ ۱۲؍ مئی ۱۹۹۸ء کو ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے اس قانون کو 'مذہبی صفائی' (Religious Cleansing) کا نام دیا۔ اسی پریس کانفرنس میں انہوں نے اپنی مذہبی جنونیت کا اظہار اس طرح بھی کیا کہ 'مسیحی طالبان' کے نام سے تنظیم بنانے کی دھمکی بھی دی۔ وہ مسیحی NGOs جن کو مغرب سے فنڈ ہی محض اس مقصد کے لیے دیئے جاتے ہیں کہ وہ قانونِ توہین رسالت کے خاتمے کے لیے جدوجہد کریں، وہ بھی چین سے نہیں بیٹھیں گی۔ حکومت اُن کے غلط مطالبے کے سامنے جھک کر مستقبل میں اپنے لیے مزید مشکلات بھی پیدا کر رہی ہے۔

(۲) قانونِ توہین رسالت ﷺ کے متعلق اقلیتوں کے اعتراضات بے بنیاد، سطحی اور شرانگیز ہیں۔ بشپ ڈاکٹر فادر روفن جولیس جیسے انتہا پسند مسیحی راہنماؤں کے اس دعویٰ میں ہرگز کوئی صداقت نہیں ہے کہ مسیحیوں کے خلاف تمام پرچے جھوٹے درج کیے جاتے ہیں۔ وہ ایسا محض اس لیے کہتے ہیں تاکہ ان کے اعتراضات میں جان ڈالی جاسکے ورنہ دل ہی دل میں انہیں بھی معلوم ہے کہ ایسے مسیحی جنونیوں کی کمی نہیں ہے جو فی الواقع جان بوجھ کر جناب رسالت مآبؐ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ فادر جولیس کا یہ دعویٰ بھی تاریخی حقائق کے برعکس ہے کہ کوئی بھی صالح اور پرہیزگار مسیحی توہین رسالتؐ کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تاریخ تو ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جب مسیحی پادریوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف نہ صرف زبان درازیاں کیں بلکہ اس سلسلے میں باقاعدہ مہمات چلائیں۔ فلپ کے ہٹی نے اپنی تالیف "اسلام اور مغرب" میں ایک مفصل باب ایسے سینکڑوں مسیحی گستاخان کے متعلق تحریر کیا ہے۔ (دیکھئے میرا تفصیلی مضمون "قانونِ توہین رسالت پر اعتراضات کا جائزہ"، مطبوعہ ماہنامہ محدث: جولائی ۹۸ء)

قانونِ توہین رسالتؐ میں کسی قسم کی تبدیلی کا بالواسطہ مطلب یہی ہوگا کہ حکومت بعض مسیحی راہنماؤں کے ان الزامات کو درست سمجھتی ہے۔ غیر ملکی میڈیا پر یہی پراپیگنڈہ کیا جائے گا کہ پاکستان میں مسیحیوں کے خلاف ہمیشہ جھوٹے مقدمات درج کیے جاتے رہے ہیں۔ اس طرح پاکستانی مسلمانوں کو بحیثیتِ مجموعی ایک 'جھوٹی قوم' کے فرد کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چند ایک اِکا دُکا واقعات کے علاوہ اکثر واقعات میں مسیحیوں کی طرف سے گستاخی کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ پاکستانی عدالتیں تمام شواہد کو جمع کرنے کے بعد ہی فیصلہ صادر کرتی ہیں۔ اگر یہ تبدیلی کی جاتی ہے تو پاکستانی عدالتوں کے سابقہ فیصلہ جات کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر کے پاکستان کے پورے عدالتی نظام کو متعصبانہ، غیر عادلانہ اور جانبدارانہ ثابت کرنے کی مذموم مہم چلائی جائے گی۔

(۳) اس قانون میں مذکورہ تبدیلی لانے کے بعد پاکستان مسلم لیگ کی حکومت کی حیثیت Credibility بھی شدید مجروح ہوگی۔ پاکستان مسلم لیگ کو ہمیشہ پیپلز پارٹی کے مقابلے میں اسلام پسند سیاسی جماعت سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس کا یہی تاثر

اس کی عوامی مقبولیت میں اضافہ کا باعث بھی بنا ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں جب مسلم لیگ یہ قدم اٹھائے گی تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے قانونِ رسالتؐ کے متعلق پیپلزپارٹی کے ایجنڈا کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غیر محسوس طریقے سے میاں نواز شریف کا تاثر ایک 'سیکولر' سیاسی راہنما کے طور پر ابھارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان کے اس طرح کے اقدامات ان کی عوامی پذیرائی میں کمی لانے کا باعث بن سکتے ہیں۔

(۴) قانونِ توہین رسالت کے ساتھ ہی یہ 'خصوصی سلوک' آخر کیوں کیا جارہا ہے کہ اس کے مرتکب افراد کے خلاف FIR کے اندراج سے پہلے ایک مخصوص کمیٹی کی سفارشات کا پیش کیا جانا ضروری ہے؟ اگر اس قانون کے مبینہ غلط استعمال کو بنیاد بناتے ہوئے یہ تبدیلی کی جارہی ہے تو پھر دیگر گھناؤنے جرائم کے ضمن میں بھی یہ تبدیلی لائی جائے کیونکہ دیگر قوانین کے معاملے میں بھی غلط استعمال کے احتمالات کو ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ کیا پاکستان میں قتل، چوری، زنا کے غلط مقدمات درج نہیں کئے جاتے؟ لیکن ان گھناؤنے جرائم کے متعلق FIR درج کرانے کی پیشگی شرائط وضع نہیں کی گئی ہیں۔

قانونِ توہین رسالت کے متعلق مذکورہ کمیٹی کی سفارشات کا طریقہ کار اس قدر پیچیدہ اور گنجلک ہوگا کہ رفتہ رفتہ ایسے مقدمات کی FIR کا مسئلہ ہی ختم ہوجائے گا اور اس کے نتائج بھیانک بھی ہوسکتے ہیں۔ لوگ ڈپٹی کمشنر اور ایس. پی پر مشتمل کمیٹی کے سامنے مقدمے لے جانے کی بجائے قانون کو خود ہاتھ میں لینا شروع ہوجائیں گے۔ توہین رسالتؐ کے مرتکب افراد کے خلاف اگر فوری قانونی کارروائی کا آغاز نہ کیا جائے تو اس سے شمع رسالتؐ کے پروانوں میں اشتعال پیدا ہونے کے امکان کو ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری طرف اس نئے طریقہ کار کی وجہ سے گستاخانِ رسولؐ کی جسارتوں میں بھی اضافہ ہونے کا احتمال ہے کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ توہین رسالت کے مرتکب افراد کے خلاف FIR نہیں کاٹی جارہی تو یہ امر انکی حوصلہ افزائی کا باعث بنے گا۔

(۵) اگر آج مسلم لیگ کی حکومت توہین رسالت کے قانون میں یہ تبدیلی لاتی ہے تو کل کلاں پیپلزپارٹی کی بدرجہا سیکولر حکومت اصل قانون کو ہی تبدیل کرسکتی ہے اور مسلم لیگی حکومت کا موجودہ اقدام اس کے لئے بنیاد کا کام دے گا۔ اپریل ۱۹۹۴ء میں پیپلزپارٹی کی حکومت نے قانونِ توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کرنے کا مسودہ تیار کرلیا تھا، جس کے تحت توہین رسالت کے مرتکب کی سزا، سزائے موت سے کم کرکے دس سال قید تجویز کی گئی تھی (روزنامہ جسارت: ۴/ اپریل ۱۹۹۴ء) مسلم لیگی حکومت کو مستقبل کے ان مضمرات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۶) اس قانون میں تبدیلی لانے کا ایک مفہوم یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ پاکستانی حکومت نے امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کا خالصتاً مسلمانوں کے ایک مذہبی معاملے یعنی ناموسِ رسالت کے تحفظ کے متعلق بے جا اور ناروا دباؤ کو قبول کرلیا ہے۔ ایسے فیصلے ترقی پذیر اقوام کی فروغ پاتی قومی خودداری کے لئے سم قاتل کا درجہ رکھتے ہیں۔ پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کرکے جس طرح امریکہ کے دباؤ کا مقابلہ کیا، اس سے پاکستانی قوم میں خودداری کے جذبات فروغ پانا شروع ہوگئے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ بدطینت دشمن سرحدوں پر مسلح افواج کو جمع کرکے پاکستان کی سالمیت کے خلاف جارحانہ کارروائی کے لئے بالکل تیار کھڑا ہے، حکومت کو ایسے متنازع فیہ اُمور کھڑے کرنے کی بجائے قومی اتحاد و یکجہتی کی پالیسیوں کو آگے بڑھانا چاہیے۔

(۷) 'تحفظِ پاکستان' اور 'تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ' دراصل ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس پاک دھرتی کا وجود ناموسِ رسالت کے سائے کے بغیر بے معنی ہے۔ پاکستان 'دھرتی ماں' ہے اور حضورِ اکرم ﷺ کی تعلیمات پاکستان کے قیام کی حقیقی اور فکری بنیاد ہیں۔ 'دھرتی ماں' کے خلاف دریدہ دہنی کرنے والوں پر غداری کے مقدمات درج کئے جاتے ہیں۔ اگر پاکستان کی سالمیت جیسے حساس معاملات میں FIR کے اندراج سے پہلے ڈپٹی کمشنر یا کسی اور افسر کی سفارشات کا انتظار کیا جائے تو دشمن ملک کی سرزمین پر پاکستان کے خلاف زبان درازی کرنے والے نجم سیٹھی جیسے افراد کو کبھی بھی قانون کی گرفت میں نہیں لایا جاسکتا۔ کیونکہ انہیں اس دوران بیرونِ ملک فرار ہونے کا موقع مل جائے گا۔ اسی طرح توہین رسالتؐ کے مرتکب افراد کے

لئے FIR کے اِندراج کا تازہ مجوزہ طریقہ کار انہیں قانون کی گرفت سے بچ کر بیرون ملک فرار ہونے کا موقع فراہم کرے گا۔ جس برق رفتاری سے توہین رسالتؐ کے مرتکب سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو بیرونِ ملک فرار کرایا گیا وہ ہمارے لئے چشم کشا ہے۔ ایک ایسا قانون جو توہین رسالتؐ کے مرتکب بدبخت مجرموں کے فرار میں اعانت کا باعث بنتا ہو، اسے کسی بھی صورت نافذ نہیں کرنا چاہئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جنابِ رسالت مآب ﷺ کی توہین جو فی الحقیقت انسانیت کے خلاف جرم کا درجہ رکھتی ہے، کی سنگینی اور شدت کا صحیح ادراک اور احساس کیا جائے۔

(۸) اس اضافی قانون کے نفاذ کا اصل سبب ۷ ارمئی ۱۹۸۶ء کو اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں عاصمہ جہانگیر کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کو "اَن پڑھ" کہنے کے ہفواتی کلمات تھے، جس پر شدید احتجاج کیا گیا تھا۔ محترمہ نثار فاطمہ MNA اور دیگر محبانِ رسولؐ نے اس گستاخی کا سخت نوٹس لیا اور قومی اسمبلی میں ۲۹۵۔ سی پیش کرنے کے لئے تحریک چلائی۔ ۲۹۵۔ سی چونکہ عاصمہ جہانگیر کی گستاخی کے خلاف ردِ عمل کے نتیجے میں منظور ہوا، اس لئے عاصمہ جہانگیر نے ہمیشہ اس قانون کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے۔ اس کی دریدہ دہنی کی سطح ملاحظہ ہو کہ یہ بدبخت عورت اس قانون کو 'فتنہ' بھی کہہ چکی ہے۔ قادیانیوں نے پاکستانی پارلیمنٹ کی طرف سے اس فرقہ کو 'کافر' قرار دیئے جانے کے فیصلے کو آج تک ہضم نہیں کیا۔ قانونِ توہین رسالتؐ میں مذکورہ تبدیلی قادیانیوں کے لئے روحانی خوشی کا باعث ہوگی اور ان کی گستاخانہ کاروائیوں اور امتِ مسلمہ کے خلاف سازشوں میں اضافہ کا باعث بنے گی۔

(۹) اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کے دلوں سے پیغمبر اسلام ﷺ کی محبت کو نکالنے کے لئے مذموم سازشوں میں مصروف ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کے خلاف توہین آمیز سازشوں کی نئی تحریک ننگِ ملت بے دین 'مسلمانوں' کے ذریعے سے برپا کی جارہی ہے جس کے مہرے سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین جیسے لوگ ہیں۔ ان کی تمام تر شیطانی ہرزہ سرائیوں کو 'انسانی حقوق' کا نام دے کر تحفظ دیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے فکری تشخص سے محروم کرنا اور انہیں مغرب کے سیکولر فکری دھارے میں شامل کرنا مغرب کا اہم ترین ایجنڈا ہے لیکن وہ اس مقصد میں اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ مسلمانوں کے دلوں میں حبِ رسولؐ موجود ہے۔ سیکولر مغرب مسلمانوں کے اپنے پیغمبرؐ کے ساتھ تعلق کو بھی اس سطح تک لانا چاہتا ہے، جس سطح پر اہل مغرب عیسائی ہونے کے باوجود اپنے نبی حضرت مسیح علیہ السلام کی 'تعظیم' کرتے ہیں۔ ان کے ذرائع اَبلاغ کھلم کھلا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں مگر عیسائیوں میں حمیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ ۱۹۹۴ء میں برطانیہ میں ایسٹر کے مقدس ہفتے کے موقع پر جنگی لیول کا گایا ہوا مشہور گیت فروخت کیا گیا جس میں حضرت مریمؑ، حضرت مسیحؑ اور حضرت یوسفؑ کو گالیاں دی گئی تھیں۔ ۱۹۸۸ء میں لندن کے سینما گھروں میں ایک یہودی فلم ساز مارٹن کی ایک انتہائی شرمناک فلم "The Last Temptation of Christ" یعنی "مسیح کی آخری جنسی ترغیب" نمائش کے لئے پیش کرنے کے لئے اشتہار بازی کی گئی جس میں نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ کو ایک طوائف کے ساتھ جنسی اختلاط کرتے دکھایا گیا۔ عیسائیوں کے لئے یہ مقام تاسف ہونا چاہئے کہ اس توہین آمیز فلم کے خلاف انگلینڈ کے مسلمانوں نے سب سے پہلے غم و غصہ کا اظہار کیا اور اس فلم کی نمائش پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا۔ عیسائی بے حسی سے یہ سب دیکھتے رہے۔ توہین رسالتؐ کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں جذبات کو موجزن رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ضابطوں کو مزید سخت کیا جائے۔ قانونِ توہین رسالت میں مذکورہ تبدیلی ان ضابطوں میں نرمی پیدا کرنے کا باعث بنے گی جس سے مسلمانوں میں رسالتمآب ﷺ کی ناموس کے متعلق جذبات میں کمی واقع ہوگی۔

(۱۰) قانونِ توہین رسالتؐ میں مجوزہ تبدیلی کی رو سے جو کمیٹی تشکیل دی جائیگی اس میں دو مسلمان اور دو عیسائیوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ تجویز اس وقت ناقابل عمل بن جائے گی جب ایک عیسائی مسلمانوں کی ایسی بستی میں توہین رسالت کا

ارتکاب کرتا ہے جہاں عیسائی خاندان آباد ہی نہ ہوں، مثلاً بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض عیسائی شرپسند کسی نوجوان کو مسلمانوں کی قریبی بستی کی مسجد میں قرآن پاک کی بے حرمتی کے لیے بھیجتے ہیں اور وہ وہاں رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عیسائی توہین رسالت کا ارتکاب ایسی جگہ کریں جہاں صرف انہیں کی آبادی ہو جیسا کہ شانتی نگر کے واقعہ میں ہوا۔ تو اسی جگہ پر 'اچھی شہرت کے حامل اور صالح' مسلمانوں کا انتخاب کیسے کیا جائے گا؟...... قانون سازوں کو ایسے حالات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱۱) پاکستان میں ایک معمولی درجے کے تھانیدار تک رسائی بھی مشکل ہے۔ تھانہ کا ایک ادنیٰ سا محرر بھی عام آدمی کے لیے ایک 'بہت بڑا افسر' ہے۔ ڈپٹی کمشنر جو عملاً ضلع کا 'بادشاہ' ہوتا ہے، اس تک رسائی کس قدر مشکل ہے، یہ محتاجِ وضاحت نہیں ہے۔ عام آدمی تو ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر سے ملاقات کے تصور سے ہی دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ مزید بر آں تھانہ تو چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے، ڈپٹی کمشنر صاحب کو دفتری اوقات کے بعد ملنا بے حد مشکل ہوتا ہے، پھر یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ ایک ضلع کے کسی دور دراز دیہات میں یا سب ڈویژن میں توہین رسالتؐ کا کوئی واقعہ رونما ہو، تو اس کے لیے بعض اوقات سینکڑوں کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے ضلعی ہیڈ کوارٹر میں پہنچنا انتہائی مشکل ہوگا۔ اس کے مقابلے میں ایک تھانے کی حدود محدود ہوتی ہیں۔ یہ عملی دشواریاں بالآخر توہین رسالتؐ کے مقدمات کے عدمِ اندراج پر منتج ہوں گی۔

راقم الحروف نے اپنی محدود معلومات اور علمی کم مائیگی کے باوصف حتی الوسع کوشش کی ہے کہ موضوع زیر بحث کے متعلق دستیاب مواد کو ترتیب دے کر اسے اپنے تبصرہ و تجزیہ کے ساتھ پیش کرے۔ میں اپنی اس حقیر سی کاوش کو سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بنچ کے رکن جسٹس محمود احمد غازی صاحب کی مجوزہ تبدیلی کے متعلق عالمانہ اور وقیع رائے پر ختم کرتا ہوں...... وہ فرماتے ہیں: (حوالہ مضمون، ''توہین رسالت کا قانون...... سماجی، سیاسی اور تاریخی مطالعہ'')

> ''یہ تجویز بے حد سنگین خطرات کی حامل ہے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے ایک طرف تو مقدمہ کے اندراج اور ملزم کے خلاف کارروائی میں تاخیر سے امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے، جو ملزم اور دوسرے مشتبہ افراد کے قتل پر بھی منتج ہو سکتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف یہ تجویز ملزم کو قانونی دفاع کے حق سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ علاوہ ازیں رپورٹ کے اندراج میں تاخیر سے مقدمہ کے قانونی جواز کے بارے میں بھی شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مزید بر آں پولیس کی کارکردگی کے بارے میں مضبوط تحفظات کے باعث توہین رسالت کی شکایت کے قانونی جواز کے بارے میں پولیس کے کردار میں اضافہ اور پھر ایسی شکایت کو مسترد کرنے کے اختیار سے تو یہ قانون ہی کالعدم ہو کر رہ جائے گا۔ جو عدلیہ کے تحفظ پر بھی ایک حملے کے مترادف ہے۔''
>
> ''بعض لوگوں نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ اگر توہین رسالت کی شکایت (یا الزام) عدالت میں ثابت نہ ہو سکے تو الزام عائد کرنے والے کو سزا دینے کا خاص قانون بنایا جانا چاہئے۔ یہ تجویز قانون اور انصاف کے تمام اصولوں کے منافی ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں عدالتی نظام تیزی سے روبہ انحطاط محسوس ہوتا ہے۔ جہاں مدعی اور شکایت کنندگان کو کوئی تحفظ حاصل نہیں، جہاں کمرہ عدالت میں گواہوں کو دھمکیاں دی جاتی ہیں، جہاں عدالتوں کے احاطہ میں فریق مقدمہ کو قتل کر دیا جاتا ہے اور مخالفوں کو موت کے سپرد کرنا معمول بن چکا ہے، وہاں پر ایسی ترمیم سے اس قانون کے تحت توہین رسالت کے مجرموں کو سزا دینے کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ اگر اس کی شکایت مسترد کر دی گئی تو خود اسے بھی سزا کا مستوجب گردانا جا سکتا ہے، کون شکایت درج کرانے کے لئے آگے آئے گا۔ مزید بر آں جب نہ صرف قانون سازوں اور اعلیٰ سرکاری حکام بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ہمدردیاں بھی کروڑوں مسلمانوں کی بجائے، جن کے محبوب پیغمبر ﷺ کی توہین ہوگی، توہین کے مرتکب افراد کے ساتھ ہوں گی، تو مسلمانوں کے لئے قابل عمل قانونی مداوا ہی نہ ہوگا'' (کتاب ''کیا امریکہ جیت گیا؟'' صفحہ ۸۸)

ع با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار!

تحقیق و تنقید

عبدالرحمٰن عزیز

شاہِ اَربل کا تحفہ ...... عید میلاد النبی ﷺ

ماہِ ربیع الاول میں اکثر لوگ نبی کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے سلسلہ میں محافل و جلوس کا انعقاد کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے ورودِ مسعود پر اظہارِ مسرت کرنے اور اس دن اذکار و استغفار، صدقہ و خیرات، خوب چراغاں کرنے اور بہترین کھانا پکانے کو باعثِ برکت اور اَجر و ثواب تصور کرتے ہیں...... اس میں کوئی شک نہیں کہ امامِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام مخلوقات سے افضل و اعلیٰ سیدِ وُلد آدم اور خاتم النبیین اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، ہیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ان محافل و جلوس کا انعقاد و اہتمام اظہارِ تشکر کی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا ہے؟ یا تابعین، تبع تابعین سے ان محافل کے انتظام و انصرام اور ان محافل میں شمولیت کا کوئی ثبوت ملتا ہے ؟؟

کیونکہ یہی لوگ محبتِ رسول ﷺ اور اتباعِ رسول ﷺ میں تمام لوگوں سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے اور مشتاق تھے۔ اگر ان لوگوں سے اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تو پھر کیا حق حاصل ہے کہ ہم ان کے کردار و فرامین سے روگردانی کرکے ایسی محافل منعقد کریں جس کے انعقاد و شمولیت سے ان حضرات نے سختی سے منع کیا ہو۔ پھر ولادتِ باسعادت کے دن اظہارِ مسرت کا نام محبتِ رسول ﷺ نہیں بلکہ محبتِ رسولؐ، اتباعِ رسولؐ میں ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے فرامینِ ذیل سے ظاہر ہے:

(۱) من أحبّ سنتي فقد أحبني "جس نے میری سنت سے محبت کی گویا اس نے مجھ سے محبت کی" (ترمذی عن انس، بحوالہ مشکوٰۃ مطبوعہ کراچی ۱/۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ)

(۲) عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين "تمہارے لئے میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کے طریقے پر چلنا ضروری ہے۔" (احمد، ابوداؤد، بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱/۳۰)

(۳) تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله و سنة رسوله "میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے...... کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت" (رواہ فی الموطأ بحوالہ مشکوٰۃ ۱/۳۱) وغیرہ

جب خیر القرون (دورِ نبویؐ، دور خلفاء راشدین و صحابہ و تابعین و ادوارِ ائمہ اربعہ و محدثین) میں ان محافل کے انعقاد کا وجود ہی ناپید ہے تو یہ محفل کیونکر شروع ہوئی؟ اور ان کا موجد کون ہے...... اس

حقیقت کو سمجھنے کیلئے درج ذیل سطور کا بغور مطالعہ فرمائیں آپ پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ
صمیم قلب سے دعا ہے کہ اللہ کریم جملہ مسلمانوں کو حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے...... آمین!

(ا) تاریخی شہادت

کتبِ تاریخ وسِیَر کی ورق گردانی سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ محفل میلاد نبی ﷺ کے چھ سو سال بعد ایجاد ہوئی۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین کے دور میں بالکل ہی ناپید ہے۔ چنانچہ تاریخ کی معتبر کتاب ابن خلکان میں اس کی شہادت موجود ہے کہ ۵۸۶ھ میں سلطان صلاح الدین نے ابو سعید کوکبوری ملقب بہ ملک المعظم مظفر الدین المتوفی ۶۳۰ھ کو شہر اربل کا گورنر مقرر کیا۔ یہ گورنر نہایت مسرف، بے دین اور عیاش تھا۔ محفل میلاد سب سے پہلے اس نے ایجاد کی جو آج بھی دنیا کے اکثر حصوں میں مروّج ہے۔

تاریخ ابن خلکان میں اس محفل کا تذکرہ بڑی شرح وسط سے بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "شاہِ اربل سعادت سے کوسوں دور اور شقاوت سے بھرپور تھا، فسق وفجور کا بازار گرم رکھتا تھا اور مجلس میلاد کو ہر سال نہایت شان وشوکت سے مناتا تھا۔ جب شہر اربل کے قرب وجوار میں یہ خبر پھیلی کہ شاہِ اربل نے ایک مجلس قائم کی ہے جس کو وہ بڑی عقیدت مندی سے سرانجام دیتا ہے تو بغداد، موصل، جزیرہ، نہاوند اور دیگر بلادِ عجم سے گویے، شعراء، واعظ، بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے آلاتِ لہوولعب کے ہمراہ ماہِ محرم الحرام سے ہی شہر اربل میں آجاتے۔ قلعہ کے نزدیک ایک ناچ گھر تعمیر کیا گیا تھا، جس میں کثرت سے قبے اور خیمے تھے۔ شاہ اربل بھی ان خیموں میں آتا، گانا سنتا اور کبھی کبھی مست ہو کر ان گویوں بھانڈوں کے ساتھ رقص کرتا (مرأۃ الزمان از ابن الجوزی)

ماہِ صفر سے ہی مجلس مولود کی تیاریاں شروع ہو جاتیں اور ماہِ ربیع الاول کو مولود منایا جاتا اور شاہی قلعہ سے اونٹ، گائے، بکریاں، ناچ گھر کے مذبح میں اس قدر ذبح کی جاتیں کہ الامان والحفیظ!!

جب اس محفل کا چرچا ہر طرف پھیل گیا تو "الناس على دين ملوكهم" کے تحت بہت سے جاہل لوگ اس کے خوشامدی بن گئے اور ابن دحیہ جیسے ایک طالبِ دنیا نے اس کی تائید میں ایک رسالہ التنوير في مولد السراج المنير لکھ کر شاہِ اربل سے ایک ہزار اشرفی انعام حاصل کیا۔ (تفصیل کے لئے: تاریخ ابن خلکان ص ۴۳۶، جلد اول) سچ ہے، هل أفسد الدين إلا الملوك، وأحبار سوء ورهبانها، یعنی بادشاہ، علمائے سوء اور صوفیاء ہی وہ تین طبقے ہیں جنھوں نے دین کو بگاڑا ہے۔
(فرمان حضرت عبداللہ بن مبارکؒ)

شاہ اربل کا یہ گراں قدر تحفہ تھا جس کو نام نہاد مسلمانوں نے شرعی مقام عنایت فرمادیا اور ہر سال اس بدعت کی ترویج میں لاکھوں درہم و دینار خرچ کرنے کو سعادتِ عظمیٰ سمجھا۔

(۲) ابن دحیہ کے متعلق ائمہ دین کے ارشادات

آیئے شاہِ اربل کے اس گرانقدر تحفے کو شرعی مقام دینے والے ابن دحیہ کے متعلق ائمہ دین اور محدثین کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ابن دحیہ نہایت متکبر، گستاخ، ائمہ دین اور محدثین پر سب و شتم کرنے والا اور ان کی عیب جوئی میں بڑا بے باک تھا، (لسان المیزان: ص ۲۹۲، جلد ۴)

(۲) امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ إن أبا الخطاب ابن دحية يفعل ذلك كأنه النبي، وضع الحديث في قصر المغرب (تدریب شرح تقریب ۱/۲۸۶) "ابن دحیہ بڑا وضاع الحدیث تھا، مولود کے متعلق جھوٹی روایات بنا کر لوگوں کو سناتا۔"

(۳) قاضی واصلؒ فرماتے ہیں کہ ابن دحیہ حدیث بیان کرنے میں بے تکی اور اٹکل پچو سے کام لیتا تھا (لسان ص ۲۹۲/۴)

(۴) امام ابن نقطہ فرماتے ہیں کہ أنه كان يدّعي أشياء لاحقيقة لها (لسان المیزان ص ۲۹۳/۴) یعنی "وہ ایسی چیزوں کا دعویدار تھا جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔"

(۵) ابن عساکر فرماتے ہیں کہ "ابن دحیہ حدیثِ نبویؐ بیان کرنے میں کذب بیانی سے کام لیتا اور بے اصل بات کہنے میں بے باک تھا" (لسان المیزان ص ۲۹۷/۴)

(۶) علامہ ابن حجرؒ نے لسان المیزان ص ۲۹۶/۴ پر ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

> امام علی بن حسین اصبہانیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن دحیہ کا ہمارے شہر سے گزر ہوا اس نے اپنے آپ کو بڑا محدث، فقیہ، ادیب، مفسر اور متقی پرہیزگار ظاہر کیا اور میرے والد نے ان کی خوب تواضع کی۔ اتنے میں ابن دحیہ نے ایک مصلّٰی نکالا اور اس جائے نماز کو چوم کر حلفاً فرمایا کہ خدا کی قسم اس مصلّٰی پر میں بیت اللہ شریف میں ایک ہزار سے زائد نفل نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھ چکا ہوں اور ربارہا اس مصلّٰی پر بیٹھ کر میں نے قرآن مجید ختم کیا ہے۔"...... والد صاحب نے وہ مصلّٰی ابن دحیہ سے خرید لیا، اسی دن اصبہان سے عصر کے بعد ایک شخص والد صاحب کے پاس آیا، اتفاقاً ابن دحیہ کا ذکر بھی آگیا تو نووارد نے کہا کہ "کل ابن دحیہ نے بڑا قیمتی مصلّٰی خریدا ہے۔" والد صاحب نے وہی مصلّٰی پیش کر دیا جس کے متعلق ابن دحیہ نے حلفاً کہا تھا کہ "میں نے اس مصلّٰی پر ایک ہزار رکعت اور بارہا قرآنِ مجید بیت اللہ میں بیٹھ کر ختم کیا ہے"

اس شخص نے دیکھتے ہی کہا کہ "خدا کی قسم یہ وہی جائے نماز ہے جس کو ابن دحیہ نے خریدا تھا"...... والد صاحب یہ سن کر خاموش ہوگئے اور اس کی یہ چالاکی اور کذب بیانی دیکھ کر دنگ رہ گئے اور ابن دحیہ کو اپنی نظروں سے گرادیا۔" (لسان المیزان: ص۲۹۶ جلد ۴)

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ عید میلاد کے جواز کا فتویٰ دینے والا، پیٹ پرست، خوشامدی، کذاب، وضاع الحدیث تھا۔ کیا ایسے دروغ گو، ہرزہ سرا، اور یاوہ گو شخص کا فتویٰ قابل حجت اور قابل سند بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ؎ خلاف پیغمبر کسے راہ گزید...... ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(۱) امام ابن حجر عسقلانیؒ رقم فرماتے ہیں کہ

إن أصل المولد بدعة لم ينقل أحد من السلف الصالح في قرون الثلاثة

"محفل میلاد بدعت ہے۔ جس کا ثبوت صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے نہیں ملتا۔"

(۲) قال عبدالرحمن المغربي عن الحنفية في فتاواه إن أصل المولود بدعة لم يفعله رسول الله ﷺ والخلفاء والائمة (فتاویٰ عبدالرحمٰن مغربی)

"علامہ عبدالرحمٰن حنفیؒ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں کہ محفل میلاد بدعت ہے نہ اس کا نبی ﷺ نے حکم فرمایا اور نہ خود کیا۔ اور نہ ہی صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے اس طرف توجہ دی، اور نہ ہی کسی کو کرنے کی اجازت دی" ؎ "جن پہ تکیہ تھا، وہی پتے ہوا دینے لگے"

(۳) ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبدالمجید مالکیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ما يهتم لعمل المولد في الربيع الاول بدعة فيليق أن ينكر مايهتم به (تكملة التفسير لابن القاسم عبدالرحمٰن مالکیؒ)

"جو مجلس میلاد ربیع الاول کے مہینہ میں رچائی جاتی ہے، یہ بدعت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ایسی محفلوں پر نکیر (مخالفت) کی جائے"

(۴) علامہ شرف الدین احمد حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ:

إن ما يعمل بعض الأمراء في كل سنة احتفالا لمولده ﷺ مع اشتماله على التكلفات الشيعة بنفسه بدعة أحدثه من يتبع هواه ولايعلم ما أمره صاحب الشريعة ونهاه (القول المُعتمَد)

"بعض امراء ہر سال آپ ﷺ کے ذکرِ ولادت سے متعلق جو محافل قائم کرتے ہیں وہ بہت سے ناشائستہ تکلفات کے علاوہ فی نفسہ بدعت ہے۔ اس محفل کے موجد، خواہشاتِ نفسانیہ کے پیروکار تھے، انہیں کوئی علم نہیں کہ صاحب شریعت نے کس چیز کا حکم دیا اور کس چیز سے روکا ہے"

(۵) علامہ ابن الحاج مالکیؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب مدخل میں اس کو بدعت لکھا ہے اور اس کے جملہ امور کو خلاف شرع گردانا ہے (مدخل)

(۶) علامہ علاؤالدین شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "محفل میلاد بدعت ہے۔" (شرح البعث والنشور)

(۷) علامہ تاج الدینؒ فرماتے ہیں کہ "مجھے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں اس کے

متعلق کوئی دلیل نہیں ملی۔ صحابہ کرامؓ اور ائمہ اسلام سے بھی اس کے متعلق جواز کا فتویٰ منقول نہیں بلکہ یہ ایک بدعت ہے جس کو شکم پرور نفس پرست لوگوں نے ایجاد کیا ہے۔ (تفصیل کے لئے فتاویٰ سیوطی ص ۳۹۴ تا ۳۹۶ کا مطالعہ مفید رہے گا)

(۸) علامہ محمد بن ابی بکر مخزومی کتاب البدع والحوادث میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

فمن المنكرات القبيحات والمكروهات الفضيحات في هذه الأعصار ما يعمل لمولد النبي ﷺ "تمام برائیوں اور گمراہیوں سے بڑھ کر برائی اور گمراہی فی زمانہ مجلس میلاد کا قیام ہے اور سابقہ امتوں کی تباہی بدعتوں کی وجہ سے ہی ہوئی" (کتاب البدع والحوادث)

(۹) امام نصیر الدین شافعیؒ سے محفل میلاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:

اس کا کرنا سلف صالحین سے منقول نہیں بلکہ یہ ایک مجلس عہدِ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد برے زمانہ میں رائج ہوئی۔ جو کام انہوں نے نہیں کیا، ہمیں اس کام کو کر کے بدعتی بننے کی کیا ضرورت ہے (کتاب شرح الالہیہ)

حاملین مذاہب اربعہ اور دیگر اَسلاف کے ارشادات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو کام عہدِ صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ دین میں ناپید و مفقود ہو، اس کو ایجاد کرنا اور فروغ دینا بدعت ہے اور ایسے کام کرنے والے کا کوئی بھی عمل بارگاہِ ایزدی میں مقبول نہیں اور ایسے شخص کو حوضِ کوثر سے بھی محرومی ہوگی اور سیدُالانبیاء ﷺ کی زبانِ مبارک سے، "سُحقا سُحقا لمن غير بعدي"...... کی صدا آئے گی کہ "دین میں نئے اُمور کو فروغ دینے والوں کیلئے جہنم ہے، ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

محترم قارئین! عید میلاد النبیؐ میں بھرپور حصہ لینے اور مال و دولت کو ضائع کرنے کا نام حبِ رسولؐ نہیں بلکہ اس میں امامِ کائنات ﷺ کیساتھ مذاق ہے۔ اگر اس دن کو منانا جائز ہوتا تو صحابہ کرامؓ جیسی جانثار جماعت اس سعادت سے محروم نہ رہتی، تابعین اور تبع تابعین اس نیکی سے محروم نہ رہتے جن کی زندگیاں نبی علیہ السلام کے ایمان پر بسر ہوئیں مگر انہوں نے ہر اس کام سے گریز کیا جس پر ہادیٔ برحق ﷺ کی مہر نہ تھی ۔ لو كان حبك صادقا لأطعته...... إن المحب لمن يحب مطيع

"اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اپنے محبوب کی تو اطاعت کرتا کیونکہ محبت کرنے والا تو اپنے محبوب کا مطیع و فرماں بردار ہوتا ہے۔"

(۴) حدیثِ نبویؐ میں تین اشخاص کا واقعہ

تین شخص پیغمبر اعظم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس آئے اور انہوں نے نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق دریافت کیا۔ جب ان کو نبی ﷺ کی عبادت کی کیفیت بتائی گئی تو انہوں نے اپنے خیال میں اس عبادت کو حقیر تصور کیا اور تینوں نے علی الترتیب یہ بیان دیا کہ:

(۱) میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور ناغہ نہیں کروں گا،

(۲) میں تمام رات عبادت کروں گا اور سویا نہیں کروں گا،

(۴) میں شادی نہیں کروں گا کیونکہ اہل وعیال عبادت میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔

جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو یہ گفتگو سنائی گئی تو آپؐ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا: "میں تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں، شادیاں بھی کی ہیں لیکن یاد رکھو" فمن رغب عن سنتي فليس مني" (متفق علیہ) "جس شخص نے میرے طریقے سے روگردانی کی، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں" (مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ، ۲۷/۱ مطبوعہ کراچی)

(۵) واقعہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

اسی طرح مشکوٰۃ کتاب الجہاد میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ "اُن کو فوج کے ہمراہ ایک مہم پر جانے کا حکم ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ دشمن سے جنگ پیش آنے والی ہے اور ممکن ہے کہ نبی اکرم کی اقتداء میں دوبارہ نماز پڑھنے کا موقع نصیب نہ ہو چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ کی اقتدا میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کی نیت سے حضرت عبداللہؓ نے فوج کو علی الصبح روانہ کر دیا اور خود کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئے۔ جمعہ سے فارغ ہو کر نبی ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو دیکھ کر فرمایا: عبداللہؓ تو نے فلاں فوج کے ساتھ جانا تھا، یہاں ٹھہرنے کا کیا مقصد؟ تو حضرت عبداللہؓ نے عرض کی کہ آپؐ کی اقتداء میں جمعہ پڑھنے کے شوق سے رہ گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عبداللہؓ اپنے خیال اور مرضی سے کی ہوئی نیکی بارگاہِ ایزدی میں مقبول نہیں بلکہ عمل کی مقبولیت اور قربِ الٰہی میری اتباع پر منحصر ہے۔ "لو أنفقت ما في الأرض جميعا ما أدركت فضل غدوتهم" (ترمذی، مشکوٰۃ، باب آداب السفر)

"اگر روئے زمین کی تمام دولت تیرے قبضہ میں آجائے اور تو اس کو راہِ خدا میں صرف کر دے پھر بھی تو ان لوگوں کے اجر وثواب اور مرتبہ کو نہیں پا سکتا جو میرا فرمان سن کر صبح کو روانہ ہو چکے ہیں"

غور فرمائیں، نمازِ جمعہ کی ادائیگی سے ہفتہ عشرہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور پھر مسجد نبویؐ میں ایک جمعہ ادا کرنے سے ایک ہزار جمعوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور پھر نبی علیہ السلام کی اقتدا میں تو نور على نور ہے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہؓ! روئے زمین کی تمام دولت راہِ خدا میں خرچ کرنے سے بھی وہ اجر وثواب اور مرتبہ نہیں مل سکتا جو میرا اشارہ پا کر روانہ ہو چکے ہیں۔

(۶) بدعت کی تعریف

بدعت کی تعریف امام نوویؒ نے شرح مسلم ص ۲۸۵ پر اسی طرح فرمائی ہے کہ "البدعة كل شئي عمل على غير مثال سابق" "دین میں ہر وہ نیا کام جس کی مثال پہلے نہ ملتی ہو"

اور مختار الصحاح ص ۳۱۲ پر ہے کہ "البدعة الحدث في الدين بعد الإكمال" بدعت سے مراد، دین کے نبی اکرم پر مکمل ہو جانے کے بعد دین میں کسی بات کو (دین بنا کر) اضافہ کرنا"

اور الاعتصام از امام شاطبیؒ کے ص ۳۷ پر تفصیلاً مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "بدعت ہر

اس چیز کو کہتے ہیں جو دین میں نئی ایجاد کی گئی ہو اور کتاب وسنت میں اس کی اصل نہ ہو۔"

محترم قارئین! عید میلاد النبیؐ ایک بدعت ہے جس کا وجود ۶۰۰ھ تک ناپید ہے اور ۶۰۴ھ کے بعد ایک مسرف، بے دین اور عیاش بادشاہ نے اس کو ایجاد کیا۔ اس بدعت نے یہ مقام حاصل کر لیا ہے کہ نام نہاد مسلمانوں اور علماءِ سوء نے اس کو تیسری عید تصور کر لیا ہے۔ اللہ کریم کتاب وسنت پر عمل کرنے کی ہمیں توفیق فرمائے اور بدعات و خرافات سے جملہ مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین!

آخر میں آج سے ساٹھ سال پہلے کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں جو اخبار اہلحدیث امر تسر شمارہ ۲۹، جلد ۳۵ مؤرخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔

الاستفتاء ...... کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ماہ محرم الحرام میں دسویں تاریخ کا اور ماہ ربیع الاول میں بارہویں تاریخ کی عظمت کا ثبوت کتاب و سنت، صحابہ، تابعین، ائمہ اور محدثین سے ہے یا نہیں؟

(۲) "ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ اور محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو تمام دن کاروبار بند کرنا، اور اس کی عظمت سمجھنا اور اس دن محفل میلاد منعقد کرنا کیا وقعت رکھتا ہے؟

(۳) اس دن کی عظمت اور محفل میلاد کرنے کا ثبوت قرآن و حدیث صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور محدثین سے ہے یا نہیں؟

(۴) ماہ ربیع الاول میں شریعت مطہرہ سے محفل میلاد کا ثبوت ہے یا نہیں ...... **بیّنوا توجروا**

الجواب بعون الوهاب: "دنیا کا کاروبار بند کرنا مسلمانوں کے لئے اظہارِ غم کی غرض سے، عاشورہ کے روز بھی شرعاً قرآن و حدیث، اجماع، قیاس میں کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں۔ اس بندش پر بارہویں ربیع الاول کی بندش کو قیاس کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ خلفائے راشدین، ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کے زمانہ میں اس بارہویں تاریخ میں دنیا کے کاروبار بند رکھنا کہیں ثابت نہیں اور اسی طرح محفل میلاد کا منعقد کرنا بھی اس مروّجہ طور پر ثابت نہیں۔ شرعاً کسی میت پر تین روز سے زائد صدمہ کا اظہار کرنا جائز نہیں ماسوا بیوہ عورت کے کہ اس کے لئے چار ماہ دس دن مقرر ہیں کہ ان ایام میں زینت و آرائش نہ کرے لیکن دنیا کے ضروری کام کے ترک کر دینے کا حکم شرعی اس کے لئے بھی نہیں تو آنحضرت علیہ السلام کے وصال کی بارہویں تاریخ کے روز اگر اس زمانے میں دنیاوی کاروبار اور بازار بند کرنا جائز ہوتا یا کر دیا جائے تو چند سال کے بعد عوام اس حکم کو شرعی اور ضروری ٹھہرانے کی وجہ سے گنہگار اور گمراہ ہوں گے اور ایسا کام جو ذریعہ معصیت ہو وہ بھی ناجائز اور گناہ ہوتا ہے"۔

أجابه و کتبه: حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ، دہلی (حنفی) — میاں محمد، دہلی (حنفی)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (حنفی) — الجواب صحیح محمد ابراہیم عفی عنہ، دہلی (حنفی)
ابو یحییٰ عبد اللطیف صدر بازار، دہلی (حنفی) — محمد جونا گڑھی دہلی (اہلحدیث)
عبد السلام مدرسہ میاں صاحب (اہلحدیث) — محمد شفیع عفی عنہ (اہلحدیث)

☆☆

رپورتاژ، تقریب بیادِ مفتیٔ اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن بازؒ

پروفیسر عبدالجبار شاکر☆

جہانے را دِگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے!

مفتیٔ اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت پر پورے عالم اسلام کی طرف سے تعزیت نامے اور رسائل و جرائد میں ان کی زندگی کے متنوع پہلوؤں پر تذکرے اور تبصرے شائع کئے جارہے ہیں۔ ان کی تاریخ ساز علمی خدمات اور رفاہی کاموں پر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا جارہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عالم اسلام کی موجودہ صورت حال میں ان کی شخصیت ایک اَبر بہار کی مانند تھی۔ جس کے جانفزا اثرات عالم اسلام میں بالخصوص اور دیگر تمام اقوام عالم میں بالعموم محسوس کئے جارہے ہیں۔ اہل پاکستان کے دلوں میں بھی ان کی یادوں اور خدمات کا ایک طویل سلسلہ موجزن ہے۔ ان کی جدائی پر آنکھیں اشکبار اور قلوب محزون ہیں۔

قدرت کے فیصلے حکمتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ کبھی کسی محدث کو امام بخاریؒ کی صورت میں بینائی اور بصارت لوٹا کر خدمت دین کے عظیم کام لیتا ہے اور کبھی بصارت زائل کر کے شیخ بن باز سے دینی بصیرت اور علمی خدمات کا سلسلہ قائم کرتا ہے۔ عالم اسلام کا یہ بطل جلیل جسے دنیا شیخ عبدالعزیز بن باز کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے، اپنی شخصیت میں کیسی کیسی دلآویزی کا سامان رکھتا ہے...... اہل علم و تحقیق کی محفل کا وہ سراجِ منیر ہے، عالم اسلام کی تعمیر و ترقی کا وہ معمار ہے، دنیا کی اسلامی تحریکوں کی کامیابی کا وہ تمنائی ہے۔ علمی، تحقیقی اور تدریسی مراکز کا وہ سرپرست اور معاون ہے، عالم اسلام کے متعدد اداروں کا وہ سرپرست ہے۔ مدینۃ الرسول ﷺ کی عظیم جامعہ کا وہ وائس چانسلر ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کا وہ تاسیسی رکن اور سربراہ ہے۔ سعودی علمائے کبار کی مجلس کا وہ رئیس ہے۔ مسندِ افتاء کا وہ عظیم فقیہ اور مجتہد ہے۔ کتاب اللہ کی نصوص کا شارح اور سنت کی حکمتوں کا شناسا ہے۔ اہل درد کی مشکلات کا درماں اور عسرت زدہ مخلوق کے لئے جود و سخا کا معدن ہے۔ اس کے دستر خوان کی وسعت، اس کے دل و دماغ کی کشادگی کا اعلان کرتی ہے۔ وہ عصر حاضر کے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کا فن جانتا ہے۔ ٹیکنیکل اور میکینکل معاشرے کے مسائل کو حل کرنے کی اِستعداد سے بہرہ ور ہے۔ عرب و عجم کے اسلامیان اس سے رہنمائی کے طالب ہیں تو غیر مسلم بھی اس سے مسائل ہدایت جاننے کے متلاشی ہیں۔ وہ راہِ حق کا مسافر اور جادۂ مستقیم کا راہرو ہے۔ اپنے اَسلاف کے علم کی مستحکم روایات اور ان کے اعمالِ صالحہ کی زندہ تصویر ہے۔ اس کی سادگی اس کی عظمت کی دلیل اور اس کا عجز اس کے علم کو منور کرتا ہے۔ غرضیکہ آج

☆ ڈائریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب، لاہور

عالم اسلام میں ان کی مثل کوئی دوسری شخصیت ایسی دکھائی نہیں دیتی جس کی اس قدر متنوع خدمات کا ذکر کیا جاسکے۔ اس بے مثال اور بے نظیر شخصیت کے سانحہ ارتحال پر فلاح فاؤنڈیشن انٹرنیشنل اور مؤتمر عالم اسلامی کے پاکستانی ذمہ داروں کے اشتراک عمل سے ایک انتہائی بامقصد اور پاکیزہ علمی اور تعزیتی مجلس کا انعقاد اسلام آباد کے پرسکون اور فرحت بخش ماحول کی کہستانی فضاؤں میں ایک فائیو سٹار ہوٹل "ہالیڈے اِن" میں منعقد ہوا۔ ۳/ جون کا دن اگرچہ روایتی گرمی کے اثرات لئے ہوئے تھا مگر سہ پہر کے بعد خنکی کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ "ہالیڈے اِن" کے ہال میں ملکی اور غیر ملکی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ساڑھے پانچ بجے کے بعد پروگرام کا آغاز ہوا۔ نشست کی صدارت اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدرِ مملکت جناب محمد رفیق تارڑ فرمارہے تھے جن کے دائیں ہاتھ مملکت سعودیہ کے سفیر جناب اسعد الزہیر تشریف فرماتھے۔ اس اجلاس میں خصوصی خطاب کے لئے امارتِ قطر کے چیف جسٹس الشیخ عبدالرحمٰن المحمود بھی سٹیج پر جلوہ افروز تھے۔ اور ان کے دائیں ہاتھ سپریم کورٹ کے جج، وفاقی محتسب اور فلاح فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کے وائس چیئرمین جسٹس خلیل الرحمٰن خاں فروکش تھے۔

جناب صدرِ مملکت کے بائیں ہاتھ وفاقی وزیر مذہبی اُمور اور مؤتمر عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل راجہ محمد ظفرالحق تشریف رکھتے تھے جن کے پہلو میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے نامزد چیف جسٹس جناب سعیدالزمان صدیقی تشریف فرماتھے۔ یہ سب شخصیات عالم اسلام کے بطل جلیل شیخ عبدالعزیز بن باز کی خدمات کی تحسین و تبریک کے لئے جمع تھیں۔ اس مجلس کے شرکاء بھی عجیب انفرادیت کے حامل ہیں۔ جن کے وجودِ مسعود سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ بن باز کے کارناموں اور خدمات سے محبت رکھنے والوں کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔ مجلس میں مسلمان ممالک کے سفیر، مختلف اسلامی ممالک کے مشن کے سربراہان، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج صاحبان، سینیٹرز، معروف قانون دان، علمائے کرام، مختلف علمی اور ادبی اداروں کی ممتاز شخصیات، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے صدر، نائب صدر اور مختلف شعبوں کے سربراہوں اور اساتذہ کرام، فلاح فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کے بورڈ آف گورنرز کے اراکین، اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئرمین جسٹس (ر) افضل چیمہ، عربی ماہنامہ "ندا ءالاسلام" کے مدیر محمد بشیر سیالکوٹی اور متعدد اداروں کی ممتاز شخصیات سامعین کے بطور تشریف فرما تھیں۔ ایک قابل ذکر بات یہ کہ پاکستان کے مختلف شہروں کے ممتاز تاجر اور دوسرے نمائندہ افراد بھی تشریف فرماتھے۔ راقم الحروف کو سٹیج کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔

اس تعزیتی ریفرنس کا آغاز تلاوتِ کلام مجید سے ہوا۔ قاری حافظ حمزہ مدنی نے آیات کی تلاوت انتخاب میں جس صلاحیت کا مظاہرہ کیا وہ لائق داد تھا۔ آیات کے موضوع اور فن قراءت کی باریکیوں اور لطافتوں سے معمور تلاوت نے ایک سماں پیدا کر دیا۔ سپریم کورٹ آف پاکستان (شریعت اپلیٹ بنچ) کے چیئرمین اور فلاح فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کے وائس چیئرمین جناب جسٹس خلیل الرحمٰن خان نے اپنے

افتتاحی خطاب میں شیخ عبدالعزیز بن باز کی شخصیت کے مختلف علمی پہلوؤں کا احاطہ کیا۔ نیز مملکت سعودیہ کے دینی اور اسلامی مزاج کی تشکیل میں ان کے کردار کو سراہا۔ یہ ایک حسن اتفاق تھا کہ مئی ۱۹۹۶ء میں راقم الحروف، صدرِ مجلس جناب محمد رفیق تارڑ، جسٹس خلیل الرحمٰن خان اور حافظ عبدالرحمٰن مدنی، فلاح فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کے ایک عظیم منصوبے "موسوعہ القضائیہ الاسلامیہ" کی تشکیل و تدوین کے سلسلے میں حکومت سعودیہ کی مختلف علمی اور دینی شخصیات سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ جن شخصیات سے مواجہت ہوئی ان میں ایک شیخ عبدالعزیز بن بازؒ بھی تھے جن کے علم و فضل، حکمت و بصیرت، جود وسخا، معاملہ فہمی اور فیاضی سے ہم بے پناہ متاثر تھے۔ شیخ نے جس محبت سے ہمارا استقبال کیا اور جس احترام سے ہمیں اپنے دستر خوان پر ضیافت کی دعوت دی، اس محبت کا نقش تا دیر دلوں پر مرتسم رہے گا۔

جسٹس خلیل الرحمٰن خان کے فاضلانہ مقالے کے بعد اسی مفہوم میں فلاح فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کے مینیجنگ ڈائریکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے فصیح عربی زبان میں شیخ موصوف کی علمی حیثیت اور خدمات کا تذکار پیش کیا۔ حافظ صاحب محترم گذشتہ تیس سالوں سے شیخ بن باز کے علمی اور دینی پروگراموں سے مربوط رہے ہیں۔ شیخ کے ساتھ ان کے ذاتی روابط کے باعث ان کے بیان میں ایک خاص جذباتی رقت بھی موجود تھی۔ ان کے بعد انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کی شریعت اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل جناب جسٹس ڈاکٹر محمود غازی نے فی البدیہ شیخ مرحوم کے بارے میں اپنے بھرپور تاثرات اور خیالات کا اظہار فرمایا۔ جس کے بعد قطر سے تشریف لائے ہوئے مہمانِ محترم چیف جسٹس قطر شیخ عبدالرحمٰن المحمود نے انگریزی زبان میں شیخ بن باز کے ساتھ اپنے خاندانی روابط کا تذکرہ کیا۔ ان کی رحلت کو عالم اسلام کیلئے ایک عظیم نقصان سے تعبیر کیا اور دعا کی کہ حق تعالیٰ اپنے فضل سے ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ جسٹس صاحب موصوف نے ان کے علمی کاموں کی عظمت و رفعت اور جلالت کا بطورِ خاص ذکر کیا۔ یاد رہے کہ جسٹس صاحب موصوف ہمارے رفیق کار حافظ ایوب اسمٰعیل کی ذاتی درخواست اور کوشش سے پاکستان تشریف لائے اور بعد ازاں انہوں نے پاکستان کے اعلیٰ سرکاری ذمہ داران سے ملاقاتوں میں پاکستان کے عدالتی نظام کی اسلامی تشکیل کے حوالے سے اپنی ہر نوع کی معاونت بھی پیش کی۔

مذہبی اُمور کی وزارت کے وفاقی وزیر اور مؤتمر عالم اسلامی کے روح رواں راجہ محمد ظفر الحق نے بڑی دلسوزی سے شیخ مرحوم کی خدمات کا تذکرہ کیا۔ ان کی شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے انہوں نے ان کی اہل پاکستان سے محبت کی خصوصی قدر افزائی کی۔ علاوہ ازیں عالم اسلام کے لئے ان کی خدمات کا بھرپور تعارف بھی پیش کیا۔ تقریب کے آخری مقرر کے طور پر سعودی عرب کے سفیر کبیر محترم اسعد الزہیر کو دعوتِ خطاب دی گئی۔ آپ نے کمالِ لطف سے انتہائی مختصر خطاب میں بہت جامع اور لطیف گفتگو کی۔ عربی زبان کی بلاغت اور ایجاز کا یہ اعجاز ہے کہ طویل بیان بھی چند جملوں میں سمٹ

جاتا ہے۔ ان کے بیان سے یہ احساس مزید قوی ہوا کہ شیخ بن باز کی شخصیت مملکتِ عربیہ سعودیہ کے نظام میں کس درجہ رسوخ کی حامل تھی۔ آپ نے آخر میں مرحوم کے رفع درجات کے لئے دعا بھی کی۔ اس خطاب کا اردو ترجمہ فاضل شہیر ڈاکٹر سہیل عبدالغفار حسن نے پیش کیا جبکہ صدرِ پاکستان کے خطاب کے فصیح عربی مترجم بھی آپ ہی تھے۔

اس تعزیتی ریفرنس کے صدر نشیں جناب محمد رفیق تارڑ، شیخ بن باز مرحوم و مغفور سے ایک ذاتی اور قلبی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تعلق ان کے صدر پاکستان بننے سے قبل اور صدرِ مملکت بننے کے بعد ہر دو اَدوار میں قائم رہا۔ وہ شیخ کی ذاتی اور نجی مجالس کے بہت سے واقعات کے رازدار اور امین ہیں۔ آپ اگرچہ عارضۂ قلب کے باعث ایک مدت سے کسی عوامی مجلس میں شرکت نہیں کرسکے مگر اپنے اس مخدوم و محترم سے ذہنی اور قلبی تعلق کے باعث آخر تک اس اجلاس میں تشریف فرما رہے۔ انہوں نے فرمایا کہ شیخ عبدالعزیز بن باز مرحوم جیسی شخصیات، علاقائی اور جغرافیائی سرحدوں سے بالاتر ہوتی ہیں۔ شیخ عہدِ حاضر میں اسلامی فکر کا ایک ایسا سرچشمہ تھے جس سے نہ صرف سعودی عرب بلکہ تمام اسلامی ممالک کے تشنگانِ علم حتیٰ کہ غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمان بھی علم و حکمت کے خزانے سمیٹتے تھے۔ بصارت سے محروم ہونے کے باوجود وہ لاکھوں انسانوں کی بصیرت کو جلا بخشنے اور اسلامی علوم کی ترویج واشاعت میں مصروف رہے۔ حافظِ قرآن ہونے کی حیثیت سے ان کا دل نورِ حق سے منور تھا اور ان کا عمل بھی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یادگار تھا۔

انہوں نے فرمایا کہ شیخ مرحوم علم و فضل، زہد و تقویٰ اور جود و سخا کی تصویر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زیرک اور مدبر راہنما تھے۔ عالم اسلام کو درپیش مسائل پر ان کی گہری نظر تھی اور وہ مسلمانوں کی اتحاد و یکجہتی کے خلاف ہونے والی سازشوں سے بھی پورے طور پر باخبر تھے۔ پاکستان کے ساتھ ان کی خصوصی محبت و شفقت ہمارے لئے ہمیشہ بڑی تقویت کا باعث رہی۔ سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان قائم گہرے برادرانہ بلکہ مثالی نوعیت کے تعلقات کی استواری میں شیخ کا کردار ہمیشہ نمایاں رہا۔ شیخ عبدالعزیز بن باز جیسی شخصیات قوموں کا وقار اور اعتبار ہوتی ہیں۔ ان کی رحلت یقیناً امتِ مسلمہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شیخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

صدرِ مملکت کے اس خصوصی خطاب کے ساتھ ہی یوں تو تقریب اپنے اختتام کو پہنچی مگر اس تقریب کی متانت، سنجیدگی اور وقار کے تاثر میں ہر شخص ڈوبا ہوا تھا۔ شیخ کے اس تذکارِ جمیل سے ذہنوں میں اب سوگواری کی بجائے ایک بیداری پیدا ہوچکی تھی۔ اسی پرکیف تاثر میں سب لوگ مفرحات سے لطف اندوز ہونے کے بعد اپنے اپنے مستقر کی جانب روانہ ہو رہے تھے کہ اذان گوش حق نیوش میں آئی اور حاضرین ربِ ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہوگئے......

تقریب سے اگلے روز خلیجی ریاست قطر کے چیف جسٹس شیخ عبدالرحمن المحمود، فلاح فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کے وائس چیئرمین جسٹس خلیل الرحمن خان، اس کے مینیجنگ ڈائریکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی اور راقم الحروف نے صدرِ مملکت سے ایوانِ صدارت میں خصوصی ملاقات کی اور مختلف اسلامی اور علمی موضوعات پر نتیجہ خیز مذاکرات کیے۔

.... [متن] ....

خطاب صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان...... جناب محمد رفیق تارڑ

محترم راجہ محمد ظفر الحق صاحب وفاقی وزیر مذہبی اُمور، شیخ عبدالرحمن المحمود چیف جسٹس قطر سفرائے اسلامی ممالک، مدراء جامعات اور معزز حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں شکر گزار ہوں کہ مجھے عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت کی یاد میں منعقد ہونے والی اس تقریب میں شرکت کا موقع فراہم کیا گیا۔ شیخ عبدالعزیز بن باز مرحوم جیسی شخصیات، علاقائی اور جغرافیائی سرحدوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ وہ عالم اسلام کے بطل جلیل تھے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ان کی عظیم خدمات کو مقبول و منظور فرمائے۔ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ہمیں ان کی تعلیمات سے کسبِ فیض کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

شیخ عبدالعزیز بن باز مرحوم کی خدماتِ جلیلہ پر سیر حاصل تقاریر ہو چکی ہیں۔ میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شیخ عبدالعزیز عہدِ حاضر میں اسلامی فکر کا ایک سرچشمہ تھے جس سے نہ صرف سعودی عرب بلکہ تمام اسلامی ممالک کے تشنگانِ علم حتیٰ کہ غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمان بھی علم و حکمت کے خزانے سمیٹتے تھے۔ بصارت سے محروم ہونے کے باوجود وہ لاکھوں انسانوں کی بصیرت کو جلا بخشنے اور اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے۔ حافظِ قرآن ہونے کی حیثیت سے ان کا دل نورِ حق سے منور تھا اور اُن کا عمل بھی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یادگار تھا۔ حصولِ علم کے مراحل طے کرنے کے بعد سے لے کر اپنی وفات تک ساٹھ سال سے زائد کا عرصہ انہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی نذر کر دیا۔ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور پھر چانسلر کی حیثیت سے ان کی طویل خدمات سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔ اسلامی علوم، علمی تحقیقات، قضاء، فتاویٰ اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے متعلق متعدد اہم اداروں کے رکن یا سربراہ کی حیثیت سے انہوں نے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ بے پناہ مصروفیات کے باوجود انہوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور اہل اسلام کی راہنمائی کیلئے بیش قیمت علمی سرمایہ جمع کیا۔ مدینہ منورہ کی عالمی اسلامی یونیورسٹی کو عالم اسلام کی عظیم دانش گاہ بنانے اور دنیا بھر سے آئے ہوئے

طالبانِ علم کی ہر ممکن سرپرستی کے حوالے سے شیخ عبد العزیز بن باز مرحوم کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

شیخ مرحوم علم و فضل، زہد و تقویٰ اور جود و سخا کی تصویر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زیرک اور مدبر راہنما بھی تھے۔ عالم اسلام کو درپیش مسائل پر ان کی گہری نظر تھی اور وہ مسلمانوں کی اتحاد و یکجہتی کے خلاف ہونے والی سازشوں سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ پاکستان کے ساتھ ان کی خصوصی محبت و شفقت ہمارے لئے ہمیشہ بڑی تقویت کا باعث رہی۔ عالم اسلام کے اِتحاد کا بہت بڑا داعی ہونے کی حیثیت میں وہ پاکستان کے کردار کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان قائم گہرے برادرانہ بلکہ مثالی نوعیت کے تعلقات کی استواری میں شیخ کا کردار ہمیشہ نمایاں رہا۔

گزشتہ سال حج کے موقع پر بھی مجھے شیخ سے ملنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان کے ساتھ گذارے ہوئے لمحات کو میں نہایت قیمتی سرمایہ خیال کرتا ہوں۔ عالم اسلام اور پاکستان کیلئے ان کے دل میں پائی جانے والی تڑپ اور اتحاد عالم اسلامی کے لئے ان کی آرزو، ان کی گفتگو کے ایک ایک لفظ سے عیاں تھی۔

حاضرین کرام! شیخ عبد العزیز بن باز جیسی شخصیات قوموں کا وقار اور اعتبار ہوتی ہیں۔ ان کی رحلت یقیناً اُمت ِمسلمہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شیخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگیاں اسلام کیلئے وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسلام کے اس بطل جلیل کی یاد مناتے ہوئے آیئے ہم عہد کریں کہ اس ملک ِخداداد کو ایک مثالی اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں وقف کر دیں گے۔ تاکہ وہ مقصدِ عظیم حاصل کیا جاسکے جس کے لئے ہمارے اَسلاف نے لازوال قربانیاں دی تھیں اور جس کے لئے شیخ عبد العزیز بن بازؒ مرحوم ہمیشہ دعاگو رہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے...... آمین!　　　پاکستان پائندہ باد

.... [متن] ....

تعزیتی خطاب جسٹس خلیل الرحمن خاں وائس چیئرمین فلاح فاؤنڈیشن (انٹرنیشنل) پاکستان

اَلحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین

عزت مآب جناب محمد رفیق تارڑ صاحب صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

جنابِ وزراء کرام اور اسلامی ممالک کے معزز سفراءِ عظام، معزز جج صاحبان، دوستو اور ساتھیو!

اَلسّلام علیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی نعمت ہے کہ آج ہم اس اہم تقریب کے موقع پر جمع ہوئے ہیں جو مرحوم شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز مفتیٔ اعظم مملکت سعودی عرب کی یاد منانے اور ان کی خدمات کا تذکرہ کرنے کے لیے منعقد ہوا ہے۔

معزز سامعین! میری مختصر گزارش یہ ہے کہ شیخ موصوف کے انتقال سے پورے عالم اسلام کو صدمہ ہوا اور ان کی جدائی سے اہل سنت والجماعت ایک عظیم قائد سے محروم ہوگئے۔ یقیناوہ نادرِ روزگار شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور اُنہیں جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین!

حقیقت یہ ہے کہ ایک ستارہ تھا جو بجھ گیا۔ ایک چاند تھا جو چھپ گیا، ایک سورج تھا جو غروب ہوگیا اور ان کے انتقال سے دلوں کو واقعتا صدمہ ہوا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقدیر ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی اُن کے لیے بہتر ہے اور اسی کے لیے بقا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو ان کی رحلت سے ایک عظیم نقصان ہوا کیونکہ وہ ایک بڑے عالم دین تھے جنہوں نے اپنی زندگی علم، اسلام اور مسلمانوں کے لیے وقف کر رکھی تھی۔

شیخ عبدالعزیز کا پورا نام ابو عبداللہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ آلِ باز تھا۔ ریاض میں ان کی پیدائش ۱۳۳۰ھ میں ہوئی، وہیں پر انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے قرآن بچپن میں ہی حفظ کر لیا تھا جب کہ وہ بینا تھے۔ پھر وہ بیمار ہوئے جس کی بنا پر ۱۳۴۶ھ میں ان کی نظر کمزور ہوگئی حتیٰ کہ ۱۳۵۰ھ میں وہ مکمل طور پر نابینا ہوگئے۔ اس بارے میں شیخ کہا کرتے تھے

> "میں اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کے بدلے مجھے بصیرتِ دین دے اور آخرت میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بزبانِ نبوت وعدہ فرمایا ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں میرا انجام اچھا کر دے۔"

شیخ ابن باز نے شرعی علوم اور عربی کی تحصیل نامور علماء کرام سے کی اور تادمِ واپسیں علم کی طلب میں مصروف رہے...... اُن کے مشائخ میں مندرجہ ذیل نامور علماء شامل ہیں:

(۱) شیخ محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن آلِ شیخ
(۲) شیخ صالح بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل شیخ
(۳) شیخ سعد بن محمد بن عتیق...... جو اس وقت ریاض کے جج تھے
(۴) شیخ محمد بن فارس
(۵) شیخ محمد بن ابراہیم...... جو مملکتِ سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم تھے

شیخ نے بہت سی کتابیں تالیف کیں جن کی تعداد ۳۰ کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے چھوٹے رسائل ہیں اور جو اکثر ان کے فتووں پر مشتمل ہیں، اب تک اس کی گیارہ جلدیں تیار ہو چکی ہیں جب کہ انہی میں ان کے بہت سارے تبصرے اور ریکارڈ شدہ تقریریں بھی ہیں جن سے مشرق و مغرب کے مسلمان مستفید ہو رہے ہیں۔

شیخ بن باز اپنی زندگی میں بڑے مناصب پر فائز رہے ہیں۔ بطورِ جج، استاد، اسلامی یونیورسٹی مدینہ

منورہ کے وائس چانسلر پھر چانسلر ،اس کے بعد بحوثِ علمیہ اور افتاء کے علاوہ دعوت اور ارشاد کے سرکاری اداروں کے سربراہ رہے ہیں۔ پھر تاحیات سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم کے منصبِ جلیلہ پر قائم رہے۔ ان عظیم الشان مناصب پر فائز ہوتے ہوئے برابر انہوں نے تبلیغ، تعلیم اور لوگوں کے سوالات وجوابات گویا ان کی تمام دینی اور علمی ضروریات پوری کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ مرحوم بہت سے اسلامی اداروں کے ذمہ دار تھے مثلاً وہ سپریم علماء کونسل اور سعودی عرب کی مستقل علمی وافتاء کمیٹی کے چیئرمین تھے اور رابطہ عالم اسلامی کے تاسیسی ممبر بلکہ چیئرمین ہونے کے علاوہ سپریم کونسل برائے مساجد کے ساتھ ساتھ فقہی کونسل مکہ مکرمہ کے چیئرمین بھی تھے۔ اس طرح وہ نہ صرف سپریم کونسل اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ کے ممبر تھے بلکہ سعودی عرب کی وسیع ترین سرگرمیوں کی حامل سپریم کونسل برائے دعوتِ اسلامی کے ممبر بھی تھے اور یہ بات خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کہ شیخ بن باز نے پاکستان اور سعودی عرب کے مثالی تعلقات قائم کرنے میں نہایت نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ مرحوم پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے جج حضرات کی طرف خصوصی توجہ رکھتے تھے۔ میری جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انہیں پاکستان کے مسائل کے بارے میں فکر مند پایا، وہ اکثر پاکستان میں نفاذِ شریعت کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے اور اس سلسلے میں ہمیں اپنے مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ جہاں تک شیخ بن بازؒ کی عالمی سطح پر علمی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ وہ بین الاقوامی سطح کی شخصیت تھے اور ان کا احترام اور عزت نہ صرف عام مسلمان کرتے تھے بلکہ پوری دنیا کے علماء ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی وجہ ان کے اوصافِ حمیدہ تھے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وفضل سے نوازا تھا۔ فقہی مسائل اور اجتہاد کے بارے میں اس دور میں ان کا کوئی مدِمقابل نہ تھا۔ کتاب وسنت کے علم کی روشنی میں فقہی مسائل اور معلومات میں وہ یکتا تھے

۲۔ شیخ بن باز کی یہ ممتاز صفت تھی کہ وہ برملا حق کا اظہار کرتے تھے اور منکر کو منکر کہتے تھے اور اس وقت تک وہ چین سے نہ بیٹھتے جب تک اس کے تدارک کے لیے کوئی اصلاحی قدم نہ اٹھالیتے۔ اس میں وہ کسی قسم کی مداہنت اور نرمی سے کام نہ لیتے تھے۔

۳۔ شیخ بن باز اس زمانے کی ایک ایسی شخصیت تھے جو زہد و تقویٰ میں بے مثال تھی۔ وہ علم کے ساتھ ساتھ عمل صالح کا نمونہ تھے۔ اگرچہ وہ ہر شخص کی مدد کے لیے کوشاں نظر آئے مگر حیرانگی یہ ہے کہ وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مناجات کے لیے بھی خاصے اوقات نکال لیتے تھے۔

۴۔ شیخ بن بازؒ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ انکساری کا جیتا جاگتا نمونہ تھے اور جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے "جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے انکساری کی، اللہ تعالیٰ نے اسے بلندی دی۔" اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ درجہ دیا کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لیے محبت کے جذبات تھے اور جو کوئی ان

کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا تو اس کی وجہ اس کے اپنے فکر و کردار کی کمزوری ہو سکتی ہے۔

۵۔ ان کی اچھی عادات میں یہ تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو کسی فرقے یا مذہب سے خاص نہیں کیا بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا رہے اور خود کہتے تھے کہ میں 'اثری' ہوں یعنی سلف صالحین کے نقش قدم پر۔

۶۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ بن باز ہر قدم پر اعتدال اور توازن پر کاربند رہے۔ نہ بہت زیادہ، نہ بہت کم۔ کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تو وہ بہت اعتدال اور توازن سے جواب دیتے اور یہ اعتدال ہی کی وجہ تھی کہ بہت مشکل مسئلے بھی حل ہو جاتے تھے۔

۷۔ شیخ بن بازؒ نہ صرف عالمی پائے کے عالم تھے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے دکھ درد کو بھی محسوس کرتے تھے۔ مسلمانوں کا کوئی بھی مسئلہ ہوتا وہ ہر جگہ متحرک نظر آتے تھے۔ مسئلہ فلسطین سے لے کر افغانستان، صومالیہ، بوسنیا، چیچنیا اور کوسوو تک ان کا ایسا اعلیٰ کردار رہا جس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ جب کوسووا میں لڑائی شروع ہوئی تو اس وقت شیخ بن باز بیماری کی حالت میں تھے لیکن ان کی بیماری کی تمام تکلیفوں نے ان کے صبر واستقامت میں اضافہ ہی کیا۔

۸۔ شیخ بن بازؒ اپنے دین پر بہت غیور تھے اور کلمہ حق اپنے مخالفین تک پہنچانے میں پس و پیش نہ کرتے تھے۔ نہایت عمدہ طریق سے بدعت اور خرافات والوں کو نصیحت اور موعظت کا اظہار فرماتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے بہت سوں کو ہدایت فرمائی۔

ان مذکورہ صفات کی بدولت اس جلیل القدر عالم دین نے مسلمانوں کے دلوں میں جگہ پائی اور پوری دنیا میں ان کی شہرت ہوئی۔ وہ امت کے عالم تھے۔ وقت کے مبلغ اسلام تھے اور ایسے مینارِ نور تھے کہ بہت وقت تک ان کی یاد دلوں میں تازہ رہے گی اور زمانے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی یاد زندہ رہے گی۔ وہ اگرچہ دارِ بقا کی طرف چلے گئے لیکن ان کی علمیت اور آثار زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی زندگی، علم و عمل، جہاد اور تبلیغ ہمیشہ دلوں میں تابندہ رہے گی۔

اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ ان کی قبر کو کشادہ کرے اور رحمتوں کے نور سے منور کرے۔ آمین یا رب العالمین!



﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (سورۃ الرحمٰن)

انٹرویو

ترتیب وترجمہ: حافظ حسن مدنی

شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کا اخبار الجزیرۃ کو یادگار انٹرویو

یہ انٹرویو آج سے ۱۵ برس قبل الجزیرہ کے چیف ایڈیٹر پروفیسر محمد الوعیل سے شیخ ابن بازؒ کی گفتگو پر مبنی ہے جس سے جہاں شیخ کی زندگی کے مخفی گوشے نمایاں ہورہے ہیں وہاں آپ کی ہمہ جہت مؤثر کارکردگی پر روشنی پڑتی ہے...... آج شیخ سے جدائی کے موقعہ پر ہم دوبارہ اس کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ انٹرویو کئے جانے سے پہلے شیخ کی مجلس کی چند منٹ کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے......

سب سے پہلے تو ہم قدرت کے اس احسان پر حیران تھے کہ آج ہمیں اپنے اخبار کے لئے ایسے شخص سے بات چیت کا موقعہ میسر آرہا ہے جو نام ونمود سے پرہیز کرنے کی بنا پر صحافیوں اور اخبارات کے ذمہ داران سے ملاقات کرنے سے عموماً کتراتا ہے۔ ہم آپس میں کہنے لگے "چونکہ شیخ کو اس سے قبل صحافیانہ سوال وجواب سے واسطہ پیش نہیں پڑا، اس لئے عین ممکن ہے کہ آپ ہماری بات چیت سے کبیدہ خاطر ہوجائیں اور ہمیں آپ کے دفتر سے ہی نکلنا پڑجائے"...... ہم سوچ رہے تھے کہ آدمی کا وقار اس کی سادگی سے جھلکتا ہے، اس مروّت وشفقت سے جو شیخ ابن باز کے بارے میں ہر کسی کی زبان پر ہے اور شاید کہ آپ ان چند ایک لوگوں سے ہیں جو حکام سے بھی اُسی طرح پیش آتے ہیں جس طرح عام آدمی سے۔ اسی سے اپنی ہمت بندھاتے ہوئے میں نے اپنے کاغذ سیدھے کیے، ٹیپ ریکارڈ ساتھ لیا اور اللہ کا نام لیکر اس مرحلہ میں داخل ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان لمحات کی بدولت آج ہمارے صحافتی مہمان فضیلۃ الشیخ ابن باز ہیں، حقیقت کی دنیا میں نہ کہ خیال وگمان میں......

اس سے کسی کو انکار نہیں کہ مختلف خطہ ہائے ارض میں اس شخص کے معتقدین لاکھوں سے متجاوز ہیں اور اس سے پہلے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں اس کا احترام موجود ہے، وہ شیخ کے فتاویٰ پر پورا اعتماد کرتے ہوئے اپنی راہیں متعین کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں آپکو فی زمانہ اُمت کا ممتاز ترین فرد اور راہنما بنادیتی ہیں۔

کیا شیخ عالم اسلام کی عظیم ترین مملکت سعودی عرب کے دینی اختیار وراہنمائی کے اعلیٰ ترین ادارے کے چیئرمین نہیں ہیں؟...... لیکن یہ دیکھنا ہے کہ وہ کس طرح اس ادارے کو چلاتے ہیں۔ اس اعلیٰ ترین عہدے کے بعد کیا آپ میں کوئی عظمت وافتخار کا پہلو دکھائی دیتا ہے......؟ کیا اس کے باوجود آپ کے گرد محافظوں کی جمعیت ہر وقت اکٹھی رہتی ہے؟

ہرگز نہیں، بلکہ مملکتِ سعودی عرب کے عظیم ترین ادارے کا سربراہ اُسی سادگی اور وقار کا آئینہ ہے جو سادگی اور محبت دین حنیف "اسلام" کا خاصہ ہے۔

ہم دفتر کی عمارت میں داخل ہوئے، جہاں کوئی دربان نہ تھا...... شیخ کا دفتر کہاں ہے؟ اندر کی طرف...... جہاں کوئی شور نہیں، ہر سو عافیت وسکون ہے۔ قریب ہے کہ شیخ کی شخصیت انہی دفاتر میں گم ہوکر رہ جائے ......اس بلڈنگ کی شان نرالی ہے جو اپنے اردگرد کی عمارتوں سے انوکھی دکھائی دیتی ہے...... صرف ایک منزلہ جس میں بے شمار لوگوں کے مسائل کے حل موجود ہیں۔

ہم میں سے ایک پوچھتا ہے: شیخ کا دفتر کہاں ہے؟ گزرنے والا شخص کہتا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر پوچھتے ہیں: کہاں؟ ایک خستہ حال شخص جواب دیتا ہے

کہ وہ بڑی مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں...... ریاض میں موجودگی کی صورت میں تمام فرضی نمازیں آپ اِسی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔

شیخ احکامِ دین پر صبر واستقامت کا پیکر ہیں۔ شمیسی سے دیرہ (مقام) تک، ٹریفک کے شدید ہجوم میں آپ باقاعدگی سے اس مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھانے جاتے ہیں جہاں آپ نے اپنی تعلیم کے بھی مراحل پورے کئے اور ۵ بار نمازوں کی باجماعت ادائیگی کی صورت میں روزانہ جہاد کرتے ہیں۔

اچانک ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نابینا شخص اپنی لاٹھی ٹیکتا ہوا نماز کو جارہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی نیلی گاڑی کا ڈرائیور ہے اور دائیں ہاتھ شیخ کا دیرینہ معاون شیخ عبد العزیز بن ناصر جس نے آپ کی رفاقت میں طویل زمانہ گزار دیا۔ گاڑی میں رستہ کٹ رہا ہے اور وہ شخص آپ کو خطوط، معاملات اور سوالات سنا رہا ہے، جس کے جواب میں شیخ اُنہیں فتاویٰ لکھوا رہے ہیں۔ یہی شیخ کا روزمرہ کا معمول ہے۔

کچھ دیر بعد مسجد میں لوگوں سے ملاقات کے بعد شیخ واپس لوٹتے ہیں اور الجزیرہ کیلئے اپنا دروازہ کھولتے ہیں...... اب رب کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہے، نماز کے اختتام پر آپ اپنے دفتر میں بھی ۴ رکعات ادا کرتے ہیں، اس وقت ہر سو خاموشی پھیلی ہوتی ہے اور ہر شخص بات کرنے سے گریز کرتا ہے...... میری نگاہیں پھر اس شخص پر ٹک جاتی ہیں، یہ عام سا متواضع وجود جو بڑے سادہ لباس میں ملبوس ہے، اس شخص کا بڑی سے بڑی مجلس میں بھی کوئی حکم ٹھکرایا نہیں جاتا...... یہ شخص اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے تمام اعضاء کے ساتھ خشوع وخضوع کی تصویر بنا کھڑا ہے۔ اس سے قبل کہ میری نگاہیں عمارت کا جائزہ لیں، ان کی نماز ختم ہو جاتی ہے...... یہ عمارت بھی بڑی سادہ لیکن گہری ہے۔ اور میرے اندر اپنی کم مائیگی کا احساس بڑھا رہی ہیں کہ تو صرف ایک عام سا صحافی ہے...... میں تو ان دفاتر کی عظمت اور علوِ شان سے مرعوب و متاثر تھا جس میں میں نے بڑے بڑے زعماء کے انٹرویو کئے۔ لیکن یہ سادہ سا کمرہ واللہ! ان عالی شان عمارتوں اور دفاتر سے جنہیں میں پہلے دیکھتا رہا ہوں، بہت زیادہ پر ہیبت اور باوقار تھا۔

اچانک خیالات کی تان ٹوٹتی ہے کہ وہ شخص...... جس کے جلال اور قربت کی ہیبت نے مجھے مسحور کر رکھا ہے، جس شخص نے اپنے جسم وجان کو اس عظیم ترین متاع پر فروخت کر دیا، اللہ کے لئے اور دارِ آخرت کے لئے اپنی جان کو وقف کر دیا، مجھے اپنے قریب آنے کی دعوت دیتا ہے گویا کہ وہ مجھے پوری طرح دیکھ رہا ہے اور میں اس کے سامنے گم ہو کر اپنے کو فراموش کئے بیٹھا ہوں...... میں دیکھتا ہوں کہ وہ شخص مجھ سے بڑی تواضع سے ٹیلیفون پر ایک عورت کا مسئلہ سننے کی اجازت مانگتا ہے۔

ٹیلیفون پر عورت سے مکالمہ

فون کی گھنٹی بجتی ہے، ٹیلیفون پر عورت کی آواز ابھرتی ہے اور وہ شیخ سے پوچھتی ہے کہ وہ اپنے خاوند سے طلاق لینا چاہتی ہے......

عورت: یا شیخ! وہ نماز نہیں پڑھتا۔

شیخ: ٹھیک ہے، تیرا یہ حق ہے کہ تو اس سے طلاق حاصل کرلے!

عورت: یا شیخ! میں یہ بات کس طرح ثابت کروں کہ وہ نماز نہیں پڑھتا......

شیخ: اپنے ہمسائیوں کی گواہی حاصل کر!!

عورت: وہ کیسے؟

شیخ: جب وہ مسجد میں نہ آئے اور جماعت میں شریک نہ ہو تو یہ نفاق کی علامت ہے اور اسی بنا پر تو اس کو پکڑ سکتی ہے۔

عورت: ہماری ایک بیٹی ہے...... کیا اس کا نام میں رکھ سکتی ہوں یا وہ ہی رکھے؟

شیخ: یہ تو بڑا سادہ مسئلہ ہے، بیٹی کا نام کیا ہے؟

عورت: اس کا نام "فلاں" ہے (ہم نہیں سن سکے)

شیخ: کوئی حرج نہیں۔ اس نام کو بدلنے کی ضرورت نہیں، اور بات ختم ہو جاتی ہے۔

شیخ کے پاس آنے والے لوگ

ایک دوسرا آتا ہے...... وہ کسی شخصیت سے مدد کی درخواست کرنا چاہتا ہے، شیخ اس سے معذرت کرتے ہیں، لیکن سائل کا اصرار ہے کہ وہ آدمی آپ کی سفارش کو نہیں رد کرے گا۔ شیخ کا دل نرم پڑجاتا ہے، اور اپنے سیکرٹری کو اس کے لئے ایک صفحہ لکھنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ٹائپسٹ وہ صفحہ لے کر ٹائپ کرنے چلا جاتا ہے۔

ایک اور شخص، اپنے آپ کو سامنے لاتا ہے، شیخ کی پیشانی پر بوسہ دیتا ہے، پھر کچھ سوالات کرتا ہے، شیخ جس کے مسلسل جوابات دیتے جاتے ہیں اور وہ مسائل پوچھتا جاتا ہے حتیٰ کہ شیخ اس کو مطمئن کردیتے ہیں...... آخر کار یہ مکالمے بھی ختم ہوجاتے ہیں۔

شیخ جزیرہ کی ٹیم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ رسمی بات چیت اور حال احوال کا ذکر ہوتا ہے گویا کہ شیخ الجزیرہ سے عرصہ دراز سے متعارف ہیں۔ آپ سے کہا جاتا ہے کہ آپ حسب ِمنشا گفتگو شروع فرمایئے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ جو آپ سوال کرنا چاہتے ہیں، کھل کر کریں اور یہاں کوئی تنگی اور تکلف محسوس نہ کریں۔ (شیخ کے بارے میں ہماری توقع درست ثابت ہوتی ہے) اس عالم جلیل کے سینے کی کشادگی تو ایک مثال بن گئی ہے کہ اس فراخیٴ صدر پر تو سوار دوڑائے جاسکتے ہیں۔

ولادت، بچپن

شیخ کی زندگی کے مطالعے کے دوران آپ کے طرزِ عمل، اسلوبِ کار اور مشکلات پر ردّ عمل وغیرہ پر ہمیں کافی روشنی میسر آئی لیکن آپ کی ولادت کس سن میں کس مقام پر ہوئی اور آپ کو کن حالات سے سابقہ پیش آیا؟

شیخ جواب دیتے ہیں: میری ولادت ماہ ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۱ء) میں ہوئی۔ میری والدہ ھیّا بنت عثمان بن عبداللہ خزیم ہیں، ۱۳۳۳ھ میں جب میں تیسرے سال کے اواخر میں تھا، میرے والد فوت ہوگئے۔ والدہ کی گود میں، میں نے یتیم کے طور پر پرورش پائی۔ میں نے دسویں، پھر گیارھویں اور بارھویں اور کچھ تیرھویں برس میں قرآنِ کریم کو پڑھا۔ عمر کے چودھویں اور پندرھویں برس میں حفظ قرآن شروع کرکے سولہویں میں مکمل کرلیا۔ اس دوران میں اپنی والدہ ھیّا کے زیر تربیت ہی رہا۔ میرے ساتھ میرا ایک بھائی جو میری ماں کی طرف سے سگا تھا اور عمر میں بڑا تھا، گھر میں رہا کرتا۔ میرا ایک سگا بھائی محمد ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن یوسف بھی ہمارے ساتھ ہوتا۔ وہ دونوں گھر کی دیکھ بھال کرتے اور ضروری گھریلو کام انجام دیتے۔ ہماری والدہ ہم سب کی تربیت اور نگہداشت کیا کرتیں۔ ان کا ہماری تربیت کرنے اور ہم میں اچھی صفات پیدا کرنے میں ہم پر عظیم ترین احسان ہے!!!

آل الباز...... اصل میں یمن سے ہیں

میرا سوال ابھی باقی تھا اور شاید کہ وہ سب لوگ جو آپ کی جائے ولادت، تعلیم اور ابتدائی عمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں، یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کلمہ الباز کا پس منظر کیا ہے...... چنانچہ میں نے فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن باز سے سوال کیا کہ الباز کیا ہے، اگر قبیلہ کا لقب ہے تو کہاں سے آیا، کہاں سے چلا؟

شیخ گویا ہوئے: یوں تو میں بھی اس کی حقیقت نہیں جانتا سوائے اس کے کہ یہ کہہ سکوں کہ شاید الباز اصل میں یمن کے باشندے ہوں یا بعض لوگوں کے خیال میں منطقہ حوطہ سے ان کا تعلق ہے، جس کے بارے میں وثوق سے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن وہاں منطقہ تہامہ میں الباز کے نام سے ایک جماعت ہے۔ ممکن ہے کہ ہمارا تعلق بھی ان سے ہو، لیکن مکمل اعتماد سے یہ کہنا میرے لئے مشکل ہے...... یہ بات درست ہے کہ یہ سوال مجھ سے ہمیشہ رہتا ہے، لیکن جس طرح انسان کے کون ہونے کی کوئی اہمیت نہیں، اس طرح قبیلہ کون ہے بھی چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔

طلبِ علم کی ابتدا

شیخ ابن باز کی تعلیم، طالب علموں کے درمیان ایک مثالی نمونہ بن سکتی ہے۔ یہ ان کی شان ہے کہ ہمیشہ

انہوں نے عالم سے زیادہ طالبِ علم رہنا پسند فرمایا۔ اس سفر میں آپ نے قرآنِ کریم سے ابتداء کی اور اس کو اوائل عمر میں حفظ کرلیا۔

میں نے سوال کیا: آپ اس مملکت میں عظیم علمی ودینی رتبے پر فائز ہیں۔ کیا میں آپ کے مراحل تعلیم کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں۔ کہاں آپ کی تعلیم ہوئی اور کون ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس روشن اور چمکدار دینی لوح کو ہمارے لئے تیار کیا؟

آپ ماضی کو کریدتے ہوئے کہنے لگے: سولہ برس کی عمر میں میں نے قرآن کریم حفظ کرلیا، بلوغت سے قبل میں نے سماحۃ الشیخ صالح بن عبدالعزیز آلِ شیخ سے علم سیکھا، آپ کی ہی ذاتِ مبارکہ میرا اولین علمی ودینی مدرسہ تھی۔ بعد ازاں ان کے چچا محمد بن عبد اللطیف آلِ شیخ سے جو اس وقت ریاض کے قاضیوں میں سے تھے...... پھر شیخ مسکراتے ہوئے مزید گویا ہوئے: ۱۳۴۷ھ میں شیخ سعد بن حمد بن عتیق سے بھی بعض اوقات تحصیل علم کیا، جس طرح علم نحو میں نے شیخ حمد بن فارس سے سیکھا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد دوبارہ ماضی میں گم ہوتے سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگے: اس کے بعد میں نے مفتی دیارِ سعودیہ شیخ محمد بن ابراہیم سے ۵۷ھ تک تسلسل سے تحصیل علم کیا۔ جس کے بعد میں نے حقیقی عملی زندگی کا آغاز کردیا۔

عملی زندگی کے ابتدائی قدم

شیخ کی بات کاٹتے ہوئے میں نے کہا کہ اس علمی ودینی تحصیل کے بعد کن خطوط پر آپ نے عملی زندگی کا آغاز کیا؟

جواب: ۲۵؍جمادی الاخری ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) کو، میں نے عملی زندگی کا آغاز کیا جب ملک عبدالعزیزؒ کے حکم سے مجھے منطقہ خرج کا قاضی بنایا گیا۔ مجھے آج تک وہ تاریخ اس طرح یاد ہے جیسے میرے حافظے میں نقش ہو کیونکہ یہ میری عملی زندگی کی ابتداء تھی۔ ۱۳۷۱ھ تک میں منطقہ خرج میں قاضی کے طور پر کام کرتا رہا۔ پھر ۷۲ھ میں ریاض کے معہدِ علمی میں مدرس کے فرائض مجھے سونپے گئے۔ معہدِ علمی میں میرے قیام کو ایک برس ہی ہوا تھا کہ کلیہ الشریعہ کے افتتاح ہونے پر مجھے آٹھویں دہائی کے اختتام تک کلیۃ الشریعہ میں تدریسی فرائض انجام دینے کا موقعہ ملا۔

انہی دنوں ۱۳۸۱ھ میں مدینہ منورہ یونیورسٹی کا افتتاح ہوا تو شیخ محمد بن ابراہیم (مفتی دیار سعودیہ) کے حکم سے میں وہاں منتقل ہوگیا، یہ ملک سعود کے دور کی بات ہے۔ ان کی تائید سے مدینہ یونیورسٹی میں ۱۳۸۱ھ میں، میں نے اپنے کام کا آغاز کیا اور ۱۳۹۰ھ تک میں وہاں بطور وائس چانسلر خدمات انجام دیتا رہا۔ جبکہ شیخ محمد بن ابراہیم اس وقت یونیورسٹی کے چانسلر تھے۔ ۱۳۸۹ھ میں آپؒ کی وفات کے بعد شاہ فیصل مرحوم کے حکم سے مجھے ۱۳۹۰ھ کو یونیورسٹی کے چانسلر کا قلمدان ملا...... ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء) تک میں اس منصب پر فائز رہا۔

ریاض میں واپسی

سوال: آپکی ریاض واپسی دوبارہ کس طرح ہوئی؟

جواب: شوال ۹۵ھ کو ملک خالد کے فرمانِ شاہی سے مجھے ڈائریکٹوریٹ برائے مباحثِ علمیہ، فتاویٰ، دعوت وارشاد کے چیئرمین کے طور پر دوباہ ریاض بلالیا گیا۔ اور اب تک میں اسی ذمہ داری کو انجام دے رہا ہوں

شیخ ابن باز اور فلسفہ تعددِ ازواج

تعددِ ازواج کے بارے میں اسلامی شریعت پر مبنی شیخ ابن باز کا مخصوص نقطہ نظر ہے جس پر کافی غور فکر کے بعد آپ یوں اس کی تائید کرتے ہیں: جب انسان ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو تعددِ ازواج اچھا امر ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایک یا دو بیویاں انسان کی ضرورت کو کفایت نہیں کرتیں۔ میری رائے میں تعددِ ازواج میں طرفین کے لئے مصلحتیں ہیں: عورتوں کے حوالے سے اس میں ان کے لئے غضِ بصر ہے اور شرمگاہ کی حفاظت بھی۔ دوسرے لحاظ سے اس طرح نسل اور آل اولاد کی کثرت میں اُمت کے لئے بھی مصلحت ہے۔ شیخ اس پر یہ اضافہ ضرور فرماتے ہیں

کہ میں تعددِ ازواج کی اس وقت تائید کرتا ہوں جب مرد میں عدل کرنے، نفقہ دینے اور زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنے کی طاقت ہو۔ تعددِ ازواج کے طور پر عورتوں کا نکاح ہو جانا، ان کا بے نکاحے بیٹھے رہنے سے بہتر ہے۔

اپنے نکاح کا قصہ بیان کرتے ہوئے شیخ کہتے ہیں:

میں نے خود تین نکاح کئے ہیں۔ پہلی بیوی سے والدہ کی زندگی میں جنہیں انہوں نے منتخب کیا تھا، ۱۳۵۴ھ میں نکاح ہوا جبکہ میری عمر ۲۴ برس تھی۔ وہ عبداللہ بن سلیمان بن سحمان کی بیٹی تھیں۔ اپنی والدہ کی وفات کے ایک سال بعد یعنی ۱۳۵۷ھ میں ہمارے درمیان علیحدگی ہو گئی...... پھر میں نے ایک خاتون ھیا بنت عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عتیق سے نکاح کیا، میری بڑی اولاد انہی سے ہے اور آج تک میری ان سے رفاقت قائم ہے۔ ان سے میرے بیٹے عبد اللہ، عبد الرحمٰن اور تین بیٹیاں ہیں۔ میری تیسری شادی ۱۳۸۶ء (۱۹۶۶ء) میں منیرہ بنت عبد الرحمٰن الخضیر سے ہوئی جن کا تعلق منطقہ قصیم کے شہر بریدہ سے ہے، ان سے بھی میرے دو بیٹے احمد اور خالد اور تین بیٹیاں ہیں۔

شیخ کے بیٹے اور بیٹیاں

تمام بیویوں سے الحمد للہ شیخ کی کافی اولاد ہے۔ جیسا کہ ملاقات میں شیخ نے بتایا کہ ان کے ۱۴ بیٹے اور ۶ بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے تجارت کرتے ہیں...... لیکن تربیت اولاد میں شیخ کا اسلوب کیا ہے؟

شیخ ابن باز: مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ اولاد کے بارے میں، میں بہت کوتاہ واقع ہوا ہوں۔ مجھے اپنی کثیر مصروفیات کی بنا پر اولاد کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع کم ملتا ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں حقیقتاً اپنے اہل وعیال کے حق میں کوتاہی کا مرتکب ہوں۔ لیکن ان کی راہنمائی اور انہیں نیک کاموں کی طرف متوجہ رکھنے کے لئے میں اپنی سی کوششیں بروئے کار لاتا رہتا ہوں۔

☆اس میں شبہ نہیں کہ شیخ ابن باز علم ودین کے آدمی ہیں، لیکن ذہنی طور پر آپ زراعت اور بعض پیشوں سے منسلک رہتے ہیں۔ آپ جس طرح زراعت کے پیشے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس طرح خرید وفروخت یعنی تجارت جن کا اوائل عمری میں آپ نے تجربہ بھی کیا ہے، میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے ہم نے اولاد کے پیشوں کے بارے میں آپ کی رائے پوچھی......

شیخ ابن باز: اس میں کوئی شک نہیں کہ خرید وفروخت کے ذریعے رزق کی تلاش کو میں اپنی اولاد کے لئے ترجیح دیتا ہوں، اسی طرح زراعت بھی مجھے بھلی معلوم ہوتی ہے، لیکن میرے بڑے بیٹے اُمور تجارت میں مشغول رہتے ہیں۔

آپ سفر کو کیوں ناپسند فرماتے ہیں؟

حکماء کے مطابق سفر کے ۵ فوائد ہیں جبکہ شیخ ابن باز سفر کے ان فوائد سے بالاتر ہیں۔ آپ بیرونِ سعودی عرب کے سفر سے ہمیشہ اجتناب کرتے ہیں۔ بہت کم ہوا کہ کسی علاج وغیرہ کی غرض سے آپ نے بیرونِ ملک کا قصد کیا ہو۔ سفر کو ناپسند کرنے میں شیخ کے نزدیک کیا حکمت پنہاں ہے۔

شیخ ابن باز: سفر کا معاملہ تصویر کھنچوانے کی وجہ سے بہت خراب ہے۔ میں تصویر کھنچوانے کو جائز نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے بیرونی سفر سے احتراز کیا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں مملکت سعودی عرب میں مجھ سے منسلک متعدد کاموں میں تعطل آجانے کی بنا پر بھی میں سفر سے کنارہ کش رہتا ہوں۔

شیخ ابن باز اور فلسفہ کامیابی

انسان کا بچپن خوشیوں اور غموں سے بھرا ہوتا ہے۔ جب انسان اپنے بچپن کو یاد کرتا ہے تو گویا ہر طرف سے اپنے آپ کو بندھا محسوس کرتا ہے۔ بچپن ہر کارِ حیات کی ابتداء کا زمانہ ہوتا ہے۔

☆شیخ عبد العزیز بن باز، جو اس وقت اپنے دائرۂ

عمل کے اعتبار سے ایک دینی و علمی مرکز تصور کیے جاتے ہیں، کیا آپ یہ توقع رکھتے تھے کہ کسی اور میدان میں قسمت آزمائی کرتے اور یوں کامیاب رہتے ...... شیخ جب اپنے بچپن کی یادوں کے دریچے کھول رہے تھے تو گویا مسرت آپ کے چہرے سے چھلک رہی تھی، آپ کا اسلوبِ بیان اس دور کی عکاسی کرتا تھا گویا آپ عمر کے اُسی دور میں ہم سے باتیں کر رہے ہیں...... ہم نے آپ سے پوچھا کہ اپنے بچپن کے بارے میں ہمیں کچھ بتایئے؟

شیخ کہتے ہیں: میں نہیں سمجھتا اگر میں کسی دوسرے میدان میں قسمت آزمائی کرتا تو اس میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتا کیونکہ مجھے اس پر یقین ہے کہ انسان جب اپنے رب اور اپنی ذات سے مخلص ہو تو کامیابی آخر کار اس کے قدم چومتی ہے۔ میں آپ کو اپنے پیشہ خرید و فروخت کے دور کا ایک واقعہ بتاتا ہوں جس سے اس پیشہ سے میرا اخلوص اور سچائی مترشح ہوتی ہے۔ میں اپنے بھائی محمد کے ساتھ کپڑے اور سلے ہوئے ملبوسات بیچا کرتا تھا اور اس کے لئے ہم ریاض کے بازار حراج میں بھی پیدل گھوما کرتے تھے کہ کسی طرح ہمارا سودا بک جائے...... جب آپ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا میں اس میدان میں کامیاب رہتا تو میرا جواب ہے کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ اگر میں اپنی سی تمام کوشش اس پیشہ کے لئے کر گزرتا تو کامیابی تو محنت کرنے والے کے ہی ہاتھ میں ہے۔

جہاں تک میرے بچپن اور عہدِ طفولیت کا ذکر ہے جس پر انسان ساری زندگی فخر کرتا رہتا ہے، مجھے افسوس کہ اس کے بارے میں کوئی بات مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ سوائے اس کے کہ میں اس عمر میں قرآنِ کریم کی تلاوت، اہل علم کے ساتھ اُٹھنے، بیٹھنے اور علومِ دین کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا متلاشی رہتا تھا۔

بصارت زائل ہونے پر پیش آنے والی مشکلات

جب شیخ ابن باز دوسروں کا سامنا کرنے اور پہچاننے کی بات کر رہے تھے تو میں سوچ رہا تھا کہ ایسا کیسے ممکن ہے کیونکہ آپ تو نابینا ہیں...... نظر کی اس بندش نے آپ کی راہ میں کونسی رکاوٹیں حائل کیں؟

شیخ ایسے شخص کے لہجے میں جواب دیتے ہیں جسے اپنی ذات پر بے پناہ اعتماد ہے: فقط اس بنا پر کہ میں دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہوں، میں نے کبھی اپنے آپ کو بندھا محسوس نہیں کیا۔ نظر کا اُٹھا لیا جانا میرے رب کی قدرت ہے جس سے فرار کی کوئی راہ نہیں، اگرچہ میں نے اس وقت جب کہ میری عمر ۱۶ سے ۱۹ برس کے درمیان تھی، نظر کے علاج کی بہت کوشش کی اور آپریشن وغیرہ بھی کروائے لیکن میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ۱۳۴۵ھ میں میری نظر کمزور ہونا شروع ہوئی اور ۴ برس بعد ۱۳۴۹ھ تک میری بصارت مکمل طور پر زائل ہو چکی تھی لیکن اس سے میری راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہوئی، میرے رب نے میری ہر موقعہ پر خوب خوب مدد کی۔

☆ بچپن سے جوانی تک کی عمر کے تذکرے نے "الجزیرہ" کے مہمان کے لہجے میں مسرت کو بکھیر دیا تھا۔ میں نے پوچھا: کیا آپ کو اس دور کا اپنا کوئی دوست یعنی طالبِ علمی کا کوئی ساتھی یاد ہے......؟

آپ نے اس جواب پر اکتفا کیا کہ ہم مختلف لڑکے اکٹھے ہو کر پڑھا کرتے تھے۔ ایک دوسرے سے مل بیٹھ کر مطالعہ کرتے۔ میرے سب سے قریبی دوست شیخ عبداللہ بن بکرؒ تھے۔ وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہتے اور ہم اکٹھے کتابیں پڑھتے۔

مفتی دیارِ سعودیہ شیخ محمد بن ابراہیمؒ سے میرا کوئی اختلاف نہیں!

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ ابن باز اور شیخ محمد بن ابراہیم سابق مفتی دیارِ سعودیہ کے مابین مختلف اُمور پر اختلافات تھے حتیٰ کہ یہاں تک بھی لوگ کہتے سنائی دیئے کہ شیخ محمد بن ابراہیم ان فقہی اختلافات کی بدولت آپ سے بڑے کبیدہ خاطر رہتے تھے...... آپ

اس پر کیا تبصرہ فرماتے ہیں؟

شیخ ابن باز: جہاں تک میری طرف سے اختلافات کی بات ہے تو چند ایک علمی مسائل میں میری رائے آپ سے جدا تھی، جس پر آپ حرج محسوس کرتے تھے۔ اسی معمولی تنگی کو بعض لوگوں نے دائمی اختلاف کا رنگ دے دیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بار تطلیق ثلاثہ پر فتویٰ لینے کا مسئلہ پیش آیا جس پر میں نے فتویٰ دیا اور شیخ محمد بن ابراہیم نے بھی، جنہیں میرے فتویٰ کا علم نہ تھا۔ اس لاعلمی کی بنا پر ہونے والی علمی مخالفت سے تھوڑا سا ماحول مکدر ہو گیا۔ چنانچہ میں نے آپ سے اس بارے میں معذرت کرلی اور اس طرح یہ تکدر جاتا رہا۔

ملک عبدالعزیز کی مجالس میں

ابھی ہم علمی نقطہ کے حوالے سے پیدا ہونے والے انہی اختلافات کا ہی تذکرہ کر رہے تھے کہ مجھے تجسس پیدا ہوا اور میں نے شیخ ابن باز سے پوچھا: کیا ملک عبدالعزیز (جو مملکتِ سعودی عرب کے بانی ہیں) سے کبھی آپ کو اختلاف کا واسطہ پڑا۔

شیخ کہنے لگے: ملک عبدالعزیز بہت دانا انسان تھے اور آپ کے قریب ترین حضرات میں علماء کی ایک بڑی تعداد تھی۔ آپ شریعتِ اسلامی کے بارے میں جاننے اور اس کو نافذ کرنے کے بڑے مشتاق رہتے تھے۔ میرے اور آپ کے درمیاں ان مسائل میں کبھی اختلاف نہ ہوا۔

☆ ملک عبدالعزیز کے دورِ حکومت میں علماء کی یہ عادت تھی کہ ہفتہ میں ایک دن شاہ سے ملاقات کیا کرتے تھے...... اس مجلس علماء میں کن موضوعات پر بات ہوتی تھی؟

شیخ ابن باز: کوئی خاص نہیں، رُشد و نصیحت کی بعض باتیں، اہم حالاتِ حاضرہ پر تبادلہ خیال اور مشاورت یا وقتی مصالح پر مبنی ایک دوسرے کو یاددہانیاں وغیرہ ہی عموماً ان مجالس کا موضوع ہوتی تھیں۔

☆ شیخ ابن باز نے جیسا کہ پہلے اعتراف کیا تھا کہ وہ اپنے اہل خانہ اور اولاد کے حق میں اپنی کثیر مشغولیات کے سبب کوتاہی کر جاتے ہیں۔ لیکن آپ کہنے لگے کہ کافی سالوں سے وہ عصر کے بعد کا وقت اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارتے ہیں۔ مغرب سے کچھ پہلے تک یا پھر رات دس بجے کے بعد آرام کرنا آپ کا معمول ہے۔

جہاں تک آپ کے روزمرہ معمولات کا تذکرہ ہے تو آپ ہفتہ، منگل اور جمعہ کے روز نماز فجر کے بعد اپنے کاموں وغیرہ کو شروع کر دیتے ہیں اور سورج طلوع ہونے تک ان ضروری اُمور میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر دفتر تشریف لے جاتے ہیں۔ بعض دنوں میں گھڑی، نصف گھڑی آرام کرنے کے لئے گھر لوٹتے ہیں، لیکن عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ جبکہ اتوار، پیر، بدھ اور جمعرات کو ریاض کی جامع کبیر میں آپ درس دیتے ہیں اور صبح ۵ سے ۷ بجے تک مسجد میں ہی تشریف رکھتے ہیں۔

ہمارے فاضل مہمان کو مملکتِ سعودی عرب کے ۴ بادشاہوں کی رفاقت کا موقعہ ملا ہے جلالۃ الملک عبدالعزیز بن سعود، ملک سعود، شاہ فیصل اور ملک خالد رحمہم اللہ
ہم نے ان سالوں پر بات کرنے کی شیخ کو دعوت دی۔

شیخ ابن باز: ملک عبدالعزیز، علماء کے ساتھ علمی مذاکرہ کے بڑے مشتاق رہتے تھے، علماء کی نکتہ رسی کو سمجھ لیا کرتے۔ اگر کبھی مصلحت کے منافی مسائل سے واسطہ پیش آجاتا تو صحیح ترین رائے کو اختیار کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ آپ پر اللہ کی بار بار رحمتیں ہوں، آپ خوب سوجھ بوجھ رکھنے والے تھے۔ اس قدر صاحب علم تھے کہ تقریباً طبقہ علماء میں ہی شمار کئے جاتے۔ لیکن جن مسائل میں علماء سے اختلاف ہوتا تو کھل کر اختلاف رائے فرماتے، میں ذاتی تجربے کی بنا پر یہ باتیں کہہ رہا ہوں

ملک سعود اور شاہ فیصل بھی کچھ ایسی ہی خصوصیات رکھتے تھے، لیکن ہر ایک کے بعض ذاتی امتیازات اور اَوصاف بھی ہوتے ہیں، ان پر اللہ کی کثیر رحمتیں ہوں۔

جہاں تک شاہ خالد کا تعلق ہے تو وہ نیکی میں معروف تھے، اچھائی کو خوشدلی سے قبول کرتے بلکہ اس کی جستجو میں رہتے، امتِ مسلمہ کی مصلحتوں کا اُنہیں خاص دھیان رہتا

موجودہ حکمران ملک فہد، شہزادگان عبد اللہ، سلطان اور نائف بھی اسی طرح اچھی صفات سے متصف ہیں۔ سب ہی خیر کے متلاشی رہتے اور بھلائی پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

اللہ انہیں مزید بھلائی کی توفیق بخشے، آمین!

طلاق کی مشکلات

شیخ ابن باز کو ایک بار طلاق کے ایک قضیہ سے واسطہ پڑا اور شاید کہ آپ کی ابتدائی شہرت اسی واقعہ کے حوالے سے ہوئی جب آپ نے اس کا ایک ایسا مفید حل بتایا جس سے اس مخصوص جوڑے کے علاوہ بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوا...... یا شیخ! کیا آپ طلاق کو سب سے بڑا معاشرتی مسئلہ سمجھتے ہیں؟

شیخ بن باز: ہاں! طلاق کے مسائل اور مشکلات سے نمٹنا مشکل ترین مسئلہ ہے خاص طور پر تین طلاقوں کے مسائل سے نمٹنا

☆ اس کی کیا خاص وجہ ہے؟

شیخ بن باز: آدمی اپنی اہلیہ سے معمولی باتوں پر جھگڑا کر کے آخر کار طلاق دے دیتا ہے۔ شیخ نے اپنے مخصوص سادہ انداز میں اس کی یوں تصویر کشی کی کہ آدمی دن بھر کے کام سے تھکا ماندا گھر واپس آتا ہے اور اس کی بیوی بعض بڑی معمولی وجوہات پر اس سے جھگڑ پڑتی ہے۔ اس سے ایسی کوئی چیز خریدنے کا تقاضا کر بیٹھتی ہے جس کا وہ انکار کر دیتا ہے اور یوں جھگڑا شروع۔ بعض گھروں میں بیوی کا ساس، سسر سے یا دیور وغیرہ سے جھگڑا رہتا ہے۔ کبھی عورتیں مستقل گھر کا تقاضا شروع کر دیتی ہیں تو آخر کار اس کا انجام طلاق کی صورت میں نکلتا ہے۔ مردوں کی طرف کبھی نشے، شراب یا ترکِ نماز کی شکایت نزاع پیدا ہونے کا سبب بن جاتی ہے اور جب عورت، مرد پر کڑی نظر رکھتی ہے تو آدمی طلاق دیکر اس عورت سے جان چھڑانے میں ہی عافیت سمجھتا ہے...... زیادہ تر طلاق کے یہی اسباب ہوتے ہیں۔

شیخ ابن باز کی رائے یہ ہے کہ سعودی عرب میں فروغِ تعلیم اور شعور پھیلنے کے باوجود طلاق کے مسائل کم نہیں ہو رہے اس لئے کہ آپ کے خیال میں طلاق کے اسباب میاں، بیوی کے مابین داخلی ہیں۔ جوں جوں زندگی کی مشکلات اور معاش کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے، توں توں ان مسائل میں بھی زیادتی ہوتی جا رہی ہے۔

☆ پھر آپ اس کا کیا علاج تجویز کرتے ہیں؟ کیا اس کی روک تھام کیلئے حکومتی اقدامات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

شیخ بن باز: نہیں، قواعد و ضوابط بندی اس کا کوئی حل نہیں۔ یہ مسئلہ لوگوں میں ایک دوسرے کا احترام، رشتوں کے شعور اور جلدی میں کوئی فیصلہ کن قدم نہ اُٹھانے اور غصہ آنے پر شیطان سے پناہ مانگنے وغیرہ کی تربیت دینے سے ہی حل ہوگا۔ اسی طرح ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دیگر ذرائع اَبلاغ کے ذریعے میاں بیوی کو بار بار کی نصیحتوں، صبر کی مشق، رواداری اور ایک دوسرے کا دھیان رکھنے کی تلقین کی جائے۔ بالخصوص بیویوں کو خاوندوں سے ایسے مطالبات کرنے سے احتراز کرنا چاہئے جو ان کے لئے مشکل ہوں یا ان میں غم و غصہ کو اُبھارنے کا موجب بنیں۔ تلخ کلمات سے گریز اور گھر میں موجود دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کا پورا دھیان رکھنا بھی ضروری ہے۔

غرض کہ یہ مسئلہ شوہر کی طرف سے جلدی نہ دکھانے، بیوی سے نرمی کرنے اور تحمل سے کام لینے، اس طرح بیویوں کی طرف سے بھی تحمل کا مظاہرہ، لمبے چوڑے مطالبے نہ کرنے اور خاوندوں کے حق میں خلوص و نرمی سے کام لینے کے ذریعے کافی حل ہو سکتا ہے

پڑھنے لکھنے کی مصروفیات

شیخ بن باز اخبارات کا باقاعدہ مطالعہ (اہتمام) نہیں کرتے۔ آپ کہتے ہیں کہ میرے دوست عموماً مجھے اہم خبروں سے مطلع کرتے رہتے ہیں۔ اگر کسی اہم واقعے پر میرے ردّ عمل یا رہنمائی کی ضرورت ہو تو فوری طور پر متعلقہ لوگوں کو اس بارے میں مراسلہ بھیجا جاتا ہے۔

میرے دفتر میں اس کام کے لئے بعض ذمہ دار اور منشی بھی ہیں جو مجھے حسب ضرورت تازہ ترین معلومات سے باخبر رکھتے ہیں۔ اس طرح اندرون اور بیرونِ ملک سے مجھے خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں لیکن پھر بھی کافی باتوں سے میں لاعلم رہ جاتا ہوں۔

☆ یا شیخ! آپ کے ذاتی کتب خانے میں کتب کی کتنی تعداد ہے؟

شیخ بن باز: یوں تو مجھے ان کی حقیقی تعداد کا علم نہیں لیکن بہر حال کافی زیادہ کتب ہیں۔ میری ایک ذاتی لائبریری ریاض میں ہے اور بعض منتخب کتب طائف میں بھی ہیں۔

☆ کیا آپ نے مطالعے کے لئے کچھ اوقات مخصوص کر رکھے ہیں؟

شیخ بن باز: مغرب اور عشاء کے درمیان ہم پڑھتے رہتے ہیں۔ عشاء کے بعد خصوصی مطالعہ ہوتا ہے۔ مغرب کے بعد تو ہم دو یا تین احادیث پڑھتے اور ان کی شرح و تفسیر دیکھتے ہیں لیکن عشاء کے بعد ہم باریک بینی سے معاملات و مسائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ مشکل مسائل کو زیادہ تر عشاء کے بعد حل کرتے ہیں۔ کبھی عشاء کے بعد ایک یا دو فتویٰ جات بھی لکھے جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مختلف نوعیتوں کا کام عشاء کے بعد ہوتا ہے۔

لوگوں کی شیخ سے محبت واُلفت

☆ یا شیخنا الفاضل! ہم یہ پوچھنے کی جسارت کریں گے کہ آپ کے خیال میں کیا وجہ ہے جو لوگ آپ سے اس قدر عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ کس بنا پر لوگ آپ سے بندھے محسوس ہوتے ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ اس کا جواب دینا آپ کے لئے مشکل ہوگا لیکن کم از کم ان اسباب کی نشاندہی فرمادیجئے جو لوگوں کو آپ سے اس قدر قریب کئے ہوئے ہیں۔ کیا آپ کا نرم و شفیق رویہ اس کا سبب ہے؟

شیخ بن باز (بڑی آہستگی سے گویا ہوتے ہیں): ہم تحمل اور صبر سے کام لیتے ہیں۔ دیگر لوگوں کی طرح ہمیں بھی ناپسندیدہ اُمور سے واسطہ پڑتا ہے لیکن ہم تحمل مزاجی سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ پھر شرم کے جذبات سے مغلوب ہو کر بولے: لیکن میرے بعض دوست مجھ سے بھی زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں...... بس یہ اللہ کا خاص کرم وانعام ہے!!

☆ اس بات کا بخوبی علم ہونے کے باوجود کہ شیخ اپنی تعریف کو ناپسند فرماتے ہیں، آپ کی بات سے مجھے حوصلہ ہوتا ہے اور میں آپ سے پوچھ بیٹھتا ہوں: کون ہے وہ ذاتِ کریم جس کے صبر و تحمل سے آپ متاثر ہوئے اور آپ نے لوگوں سے معاملہ برتنے اور ان کی مشکلات کا سامنا کرنے میں اس شخص کے سینے کی کشادگی اور صبر کو اپنے لئے مشعل راہ بنالیا؟

شیخ بن باز: رسول کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس...... آپ ہی ہمارے رہبر ورہنما ہیں۔ واللہ! نبی اکرم ﷺ کا حوصلہ اور صبر و تحمل بہت عظیم تھا۔ کبھی ایک بدو نے آپ ﷺ کی گردن مبارک میں اپنی چادر ڈال کر کھینچا جس سے گردن پر نشانات اُبھر گئے۔ آپ کا تحمل کہ آپ اس کی طرف جھک گئے اور مسکراتے ہوئے اس کے تقاضے کی تکمیل فرمادی۔ نبی اکرم ﷺ کو تہذیب یافتہ اور گنوار ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پیش آیا کرتا تھا۔ آپ ہی اہل علم اور مسلمانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں۔ پھر آپ کے صحابہ کرامؓ جو علم و صبر میں اپنی مثال آپ تھے۔ مثلاً صدیق اکبر، حضرت علی اور حضرت طلحہ وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین...... اگرچہ حضرت عمر میں کچھ جلال تھا لیکن آپ بہترین اور صادق ترین انسان تھے اور کامل تر ایمان کے حامل بھی۔

☆ کیا آپ کو بھی غصہ آجاتا ہے؟ یا سماحۃ الوالد!

ہاں! میں بہت ناراضگی کا اظہار کرتا ہوں اور لوگوں کی طرح مجھے بھی بشری مسائل سے واسطہ ہے۔ میں اپنی اولاد، اہل خانہ اور دفتر کے بعض اہلکاروں پر غصہ ہوجاتا ہوں، لیکن اکثر اپنے نفس پر قابو پالیتا ہوں۔

(اس پر یہ مبارک ملاقات اپنے اختتام کو پہنچی)

دعا: اللہ تعالیٰ آپ کی وفات سے ہونیوالے نقصان کو پورا فرمائے اور آپکو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

CPL No. 177
Vol. 31

Ph: 5866476
5866396

Monthly **MUHADDIS** Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں...... لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں...... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے...... لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے...... لیکن

ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے...... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

...... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

محدث

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاءاللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فی شمارہ : ۱۵ روپے   زرِ سالانہ : ۱۵۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL: 99-J, Model Town, Lahore 54700